حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے

(فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء بر موقع جلسہ سالانہ)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَاتُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔[۱]

میں نے جو چند آیات ابھی تلاوت کی ہیں۔ ان میں میرے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جو آج میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

یہ مضمون جماعت سے ایسا تعلق رکھتا ہے کہ اسے زندگی اور موت کا سوال کہا جا سکتا ہے۔ اور جس طرح میں اس مضمون کو اپنی جماعت کے لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں اگر وہ اسی طرح ذہن نشین کر لیں تو تبلیغ میں اِنْشَآءَ اللّٰهُ بہت بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔

میں نے بڑا غور کیا ہے اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیا میں سچائی ٹکڑے ٹکڑے

کر کے پیش کرنے سے وہ اثر نہیں پیدا کر سکتی جو مجموعی طور پر پیش کرنے سے ہو سکتا ہے۔ دیکھو اگر کسی خوبصورت سے خوبصورت انسان کا ناک کاٹ کر لے جائیں اور پوچھیں یہ ناک کیسا خوبصورت ہے؟ تو کوئی اس کی خوبصورتی کا اعتراف نہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی خوبصورت انسان کا کان کاٹ کر لے جائیں اور جا کر پوچھیں۔ یہ کیسا خوبصورت ہے تو اس کی خوبصورتی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ہاں سارے اعضاء مل کر متحدہ شکل میں دل پر اثر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق بھی ہم کو مجموعی رنگ میں غور کرنا چاہئے۔ اور پھر دیکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔

آج ہی ایک دوست نے جو غیر احمدی ہیں مجھے لکھا کہ ہم لوگ یہاں آتے تو اس لئے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق سنیں۔ مگر اس کے متعلق جلسہ میں مضمون کم رکھے جاتے ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ درست ہے۔ مگر ان کو اور دوسرے احباب کو یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ یہ جلسہ جماعت کی تربیت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے دونوں قسم کے مضامین ضروری ہوتے ہیں۔ مگر اتفاقی بات ہے کہ اس دفعہ میرے مضمون کا بھی یہی ہیڈنگ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کیا کام کیا؟

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق بہت بے پروائی سے کام لیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاموں پر تفصیلی طور سے نظر نہیں ڈالی گئی۔ میں نے بارہا لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ بتاؤ تو مرزا صاحب کے آنے کی ضرورت کیا تھی؟ اگر ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک تفصیلی نظر ڈالیں تو وہ تمام باتیں موجود نظر آتی ہیں جن کے لئے آپ کا آنا ضروری تھا اور اس سوال کا جواب ایسا اہم اور اتنا وزنی ہے کہ اگر اسے بتفصیل بیان کیا جائے تو کوئی حق پسند اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ سوال ایسا اہم ہے کہ اس کے سمجھے بغیر کوئی سمجھدار شخص سلسلہ کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک کسی کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کی اہمیت کا نقش نہ جم جائے وہ آپ کی طرف توجہ کیونکر کر سکتا ہے؟

اس میں شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنیوالی تازہ صداقتیں اور نشانات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خود اپنی ذات میں صداقت کا ثبوت ہوتے ہیں مگر جب تک ان کو بھی ایسے

رنگ میں پیش نہ کیا جائے کہ دنیا ان کا فائدہ سمجھ سکے تو وہ نشانات بھی اثر نہیں کرتے۔ پس اس سوال کا جواب دینا نہایت ضروری ہے۔

یہ سوال جب کیا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے کیا کام کیا؟ تو بسا اوقات سوال کرنے والے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی ٹھوس چیز اس کے ہاتھ میں دے دیں وہ ایسی شہادت چاہتا ہے جیسی کہ صرف مادیات میں مل سکتی ہے روحانیات میں نہیں۔ یا لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وقت سے پہلے نتیجہ نکال لیں وقت ابھی آتا نہیں مگر وہ پوچھتے ہیں کیا نتیجہ نکلا؟ ایسے لوگوں کی وہی مثال ہوتی ہے کہ ایک شخص کہے۔ چونکہ میرے ہاں اولاد نہیں ہے اس لئے میں اولاد کے لئے دوسری شادی کرتا ہوں۔ اور جس دن وہ دوسری شادی کرے اس کے دوسرے دن صبح ہی اس کے دوست اس کے ہاں پہنچ جائیں۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے بعد پوچھیں اولاد ہوئی ہے یا نہیں؟ وہ کہے ابھی تو نہیں ہوئی۔ تو وہ کہیں پھر شادی کیوں کی تھی؟ شادی کا جلد سے جلد نتیجہ نو ماہ کے بعد نکل سکتا ہے اور اگر اس عرصہ کو کم سے کم بھی کر دیا جائے تو بھی سات مہینہ میں نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اتنا انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس کسی کام کے لئے جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے نتائج کا مطالبہ کرنا غلطی ہے۔ دراصل اس قسم کا سوال کرنے والوں کو عام طور پر دو غلطیاں لگتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو سوال کرتے ہیں وہ ٹھوس مادی جواب چاہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ یہ بتاؤ مسلمانوں کی حکومت کہاں کہاں قائم ہوئی؟ یا یہ کہ کتنے کافروں کو مارا ہے۔ کتنی غیر مسلم سلطنتوں کو شکست دی ہے۔ غرض وہ یا تو چاندی سونے کے یا مُردوں کے ڈھیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ لگتی ہے کہ بے موقع نتائج تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی نبی کے متعلق اس قسم کا سوال ایسا باریک ہوتا ہے کہ اگر وہ اسے پہلے انبیاء پر چسپاں کریں تو انہیں معلوم ہو کہ اس سے باریک سوال اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو انبیاء شریعت نہیں لائے ان کے متعلق تو خصوصاً یہ نہایت باریک سوال ہے۔ مثلاً رسول کریم ﷺ کے وقت اگر کوئی یہ سوال کرتا کہ آپ نے کیا کیا؟ تو اس وقت پیش کیا جا سکتا تھا کہ آپ پر اتنی سورتیں اُتری ہیں۔ اول تو یہ جواب بھی ایسے لوگوں کیلئے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں رسول کریم ﷺ پر مکمل شریعت نہ اُتری تھی۔ چند احکام اترے تھے اور جب تک مکمل شریعت نہ اُتری تھی اس وقت تک اسلام کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا تھا۔ جس طرح آج سکھوں اور بہائیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تمہارے پاس تو مکمل شریعت نہیں ہے اس

وقت جب کہ اسلام میں ورثہ کے متعلق مکمل احکام نہ اترے تھے اگر کوئی سوال کرتا کہ اسلام میں ورثہ کے متعلق کیا احکام ہیں؟ تو کوئی جواب نہ دیا جاسکتا تھا۔ پس شریعت بھی درحقیقت تکمیل کے بعد ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ اور نبی کی زندگی میں صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسے مسئلے بیان کئے ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تعلیم کامل ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت تک وہ کامل نہیں ہوئی ہوتی۔ غرض شرعی نبی کے متعلق بھی یہ مشکل پیش آتی ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ احکام جو اس پر نازل ہوئے ہوں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن جو شرعی نبی نہیں ان کے لئے کیا پیش کیا جاسکتا ہے؟ وہ لوگ جو یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا کام کیا کہ آپ کا ماننا ضروری قرار دیا جائے۔ ان سے ہم کہتے ہیں کہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تو مأمور اور مرسل نہیں ہیں۔ آپ سے پہلے ہزاروں مأمور گذر چکے ہیں جن کا ذکر قرآن میں اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ دو درجن کے قریب انبیاء کا ذکر تو قرآن میں بھی آیا ہے۔ جن میں سے دو تین کو چھوڑ کر باقی ایسے ہی ہیں۔ جن پر کوئی شریعت نہ اتری۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق سوال جانے دو۔ یہ بتاؤ حضرت مسیح ناصریؑ کے زمانہ میں جب انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول ہو کر آیا ہوں اس وقت اگر لوگ ان سے یہ سوال کرتے کہ آپ نے کیا کام کیا ہے؟ تو وہ کیا جواب دیتے؟ یا ان کے حواریوں سے پوچھتے کہ حضرت مسیحؑ کا کام بتاؤ تو وہ کیا بتاتے؟ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہتے کہ حضرت مسیحؑ نے مردوں کو زندہ کیا۔ مگر میں کہتا ہوں یہ تو کام نہیں نشان اور معجزہ ہے اور ایسے نشان تو ہم حضرت مرزا صاحب کے بھی پیش کرتے ہیں۔ اگر نبی کے کام سے مراد یہ ہے کہ اس نے دنیا کے فائدہ اور دنیا کی ترقی کیلئے کیا کیا' عقائد اور اعمال کے لحاظ سے' سیاست اور تمدن کے لحاظ سے کونسا فائدہ پہنچایا تو حضرت مسیحؑ ناصری اس کا کیا جواب دیتے۔ پھر ان کے بعد حواری اس کے جواب میں کیا کہتے؟ ان کے جواب کو تو جانے دو' آج جب کہ حضرت مسیحؑ کو گزرے انیس سَو سال ہو گئے ہیں آج جا کر عیسائیوں سے پوچھو کہ حضرت مسیحؑ نے کیا کام کیا؟ تو ان کا بڑے سے بڑا جواب یہی ہوگا یسوع مسیح نے دنیا میں محبت کی تعلیم قائم کی اور کہا:۔

"جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔"[۲]

یا یہ کہ خدا کی بادشاہت قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ کے زمانہ

میں ان کے ماننے والوں کو بادشاہت مل گئی تھی؟ ان کو تو صرف وعدہ ہی دیا گیا تھا۔ اور اگر وعدہ سے تسلّی ہو سکتی ہے تو ہم بھی ان لوگوں کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق سوال کرتے ہیں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے۔ خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جائے گی بلکہ اس سے بھی زیادہ کا وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ ساری دنیا میں جماعت احمدیہ اس طرح پھیل جائے گی کہ باقی لوگ اتنے ہی تھوڑے رہ جائیں گے جتنے اس وقت خانہ بدوش لوگ ہیں۔ پس اگر وعدہ تسلی کا موجب ہو سکتا ہے تو اسے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے وقت پر پورا ہو جائے گا۔ دیکھو اگر حضرت مسیح ناصری کی وفات کے بعد ان کے حواریوں سے لوگ پوچھتے' کہاں ہے وہ بادشاہت جس کا وعدہ دیا گیا ہے؟ اور وہ نہ دکھا سکتے تو کیا حضرت مسیح جھوٹے ثابت ہو جاتے؟ یا پھر حواریوں سے نہیں ان کے بعد آنے والوں سے لوگ پوچھتے۔ دکھاؤ وہ بادشاہت جس کا مسیح نے وعدہ کیا ہے اور وہ نہ دکھا سکتے تو کیا حضرت مسیح جھوٹے قرار پا جاتے۔ حضرت مسیح کی امت میں تین سو سال کے بعد حکومت آئی۔ اگر مادی کامیابی کے لئے دعویٰ بھی دلیل ہو سکتا ہے۔ تو ہمارا بھی دعویٰ ہے کہ ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے گی۔ اور اسے دنیوی لحاظ سے بھی شان و شوکت حاصل ہوگی۔ لیکن اگر کہو کہ یہ دعویٰ ابھی پورا نہیں ہوا۔ اس لئے دلیل نہیں ہو سکتا تو ہم کہتے ہیں حضرت مسیح ناصری کے وقت میں بھی بادشاہت قائم ہونے کا دعویٰ پورا نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا وہ جھوٹے تھے؟ حواریوں کے وقت میں پورا نہیں ہوا تھا کیا اس وقت حضرت مسیح جھوٹے تھے؟ حتیٰ کہ تین سو سال تک پورا نہ ہوا کیا اس وقت تک حضرت مسیح سچے نہ تھے؟ اگر باوجود اس کے سچے تھے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیوں سچا نہیں قرار دیا جاتا؟ جب کہ یہاں بھی ابھی حواریوں کا زمانہ ہی گذر رہا ہے۔

پس حضرت مسیح ناصری کے متعلق ایسا ٹھوس جواب جیسا کہ آج کل لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق چاہتے ہیں۔ نہ ان کے وقت میں مل سکا۔ نہ حواریوں کے وقت۔ اور نہ تین سو سال کے عرصہ تک۔ لیکن اب یہی سوال دنیا کے سامنے پیش کرو۔ اور پھر دیکھو کیا جواب ملتا ہے۔ اگر آج سے ۱۹ سو سال پہلے حضرت مسیح کا یہ فقرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا کہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے تو یہ لوگ کہتے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) یہ کس پاگل اور مجنون کا کلام ہے۔ مگر آج دنیا کے جتنے بڑے بڑے

فلاسفر ہیں ان کے پاس جاؤ اور جا کر سوال کرو کہ حضرت مسیحؑ نے دنیا میں آکر کیا کام کیا تھا؟ تو وہ اس سوال کرنے والے کو پاگل قرار دیں گے اور کہیں گے۔ وہ مسیح جس نے ایک ہی فقرہ کہہ کر کہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی زندگی کو بدل دیا اس کے متعلق یہ پوچھنا کہ اس نے کیا کام کیا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ اس فقرہ کا آج بھی عیسائیوں پر اتنا اثر ہے کہ باوجود بڑے بڑے ظلم کرنے کے ایک نقطہ رحم کا ان میں باقی رہتا ہے اور کم از کم اتنا تو ہے کہ جب کوئی ظلم کرتے ہیں تو بھی اعلان یہی کرتے ہیں کہ فلاں قوم کی بہتری اور بھلائی کے لئے ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ خواہ وہ کسی کی کھال ہی ادھیڑ رہے ہوں۔ مگر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ہم تمہارے فائدہ کے لئے ہی کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم کا احساس ان میں ایسا گھر کر گیا ہے کہ ظلم کرتے وقت بھی اس کا اظہار کرتے ہیں۔

غرض آج سب لوگ مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے ذریعہ ان کے ماننے والوں میں ایک بہت بڑا تغیّر پیدا ہوا۔

اسی طرح اگر یہ سوال بُدھ کے متعلق کیا جاتا کہ انہوں نے کیا کیا؟ اور ان کے زمانہ کے لوگ یہ جواب دیتے کہ بدھ نے کہا ہے کہ اپنی ساری خواہشات کو مٹا ڈالو۔ تو سب لوگ اس بات کو سن کر ہنس دیتے۔ اور کہہ اٹھتے یہ بھی کوئی کام ہے اور کوئی عقلمند کس طرح یہ تعلیم دے سکتا ہے؟ مگر اس تعلیم نے ایک عرصہ کے بعد ایسا تغیّر پیدا کیا کہ ہندوؤں کی عیاشیاں مٹا ڈالیں اور ان کو تباہی سے بچا لیا۔ جب حضرت بدھ پیدا ہوئے۔ اس وقت وام مارگیوں کا بڑا زور تھا۔ جن کا مذہب یہ ہے کہ ماں بہن سے زنا کرنا بڑا ثواب کا کام ہے یہ لوگ اب بھی موجود ہیں اور ان میں سے بعض ان افعال کے مرتکب ہوتے ہیں اور اسے عیب نہیں سمجھتے۔ ان میں سے بعض تارک الدنیا لوگ غلاظت بھی کھاتے ہیں ان کو ماتنگی یعنی ماں کو ننگ بنانے والے بھی کہا جاتا ہے۔ اس وقت جب کہ ان لوگوں کا بڑا زور تھا۔ حضرت بدھ نے خواہشات کو مٹانے کی تعلیم دی۔ اس وقت تو اس تعلیم کی کوئی ایسی قدر نہ کی گئی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اس تعلیم نے لوگوں کی حالت بدل دی۔ اور اب صرف چند لاکھ ہی ایسے لوگ ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت بُدھ کے وقت ہندوستان میں ان کو غلبہ حاصل تھا۔

اسی طرح اگر یہ سوال حضرت کرشن پر ان کے زمانہ میں کیا جاتا کہ انہوں نے آکر کیا کیا۔

یا حضرت رامچندر کے متعلق کہا جاتا کہ انہوں نے کیا کیا۔ تو کیا جواب دیتے؟ یا حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ، حضرت زکریاؑ کے زمانہ کے متعلق کیا جائے تو مسلمان کیا جواب دیں۔ یا حضرت یوسفؑ کے متعلق پوچھا جائے کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں کیا کیا؟ تو کیا بتائیں۔ کیا یہ کہ انہوں نے بادشاہ کے خزانوں کی دیانتداری سے حفاظت کی۔ مگر یہ کیا کام ہے۔ اس قسم کے دیانتدار تو کئی وڈ[۳] یا فاکس[۴] نام کے انگریز بھی مل جائیں گے۔ اسی طرح یرمیاہ نبی کے متعلق اگر کوئی یہی سوال کرے تو کیا جواب دیا جائے گا۔ کیا یہ کہ وہ اپنے زمانہ میں روتے پیٹتے رہے کہ لوگ بیدار کیوں نہیں ہوتے۔ بعض انبیاء کے متعلق تو اس قسم کے جواب مل جائیں گے مگر بعض کے متعلق ایسے بھی نہ ملیں گے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی تعلیموں نے دنیا میں تغیر نہیں پیدا کیا اور بڑے بڑے عظیم الشان نتائج نہیں نکلے۔ بات یہ ہے کہ نبی کی زندگی میں ان تغیرات کا جو آئندہ ہونے والے ہوتے ہیں صرف بیج نظر آتا ہے جس میں سے بعد میں عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ درخت ان کی زندگیوں میں نہیں دکھایا جا سکتا۔ جو کچھ دکھایا جا سکتا ہے وہ بیج ہوتا ہے اسے دکھا کر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے درخت بن جائے گا۔

غرض تمام انبیاء کی زندگیوں پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انبیاء نہایت باریک روحانی اثر دنیا میں چھوڑتے ہیں جو مادی طور پر نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہاں عقلی طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ نبی نے ایسی چیز چھوڑی ہے جو عظیم الشان نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔

دراصل انبیاء کی مثال اس بارش کی سی ہوتی ہے جو ایک عرصہ تک رُکی رہنے کے بعد برستی ہے۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں پھوٹنے لگ جاتے ہیں' درخت سُوکھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب بارش ہوتی ہے تو خود بخود ہاتھوں میں نرمی آجاتی ہے۔ سبزہ پیدا ہو جاتا ہے اور کئی قسم کی کیفیات ظاہر ہونے لگ جاتی ہیں۔

پس یہ سوال کہ فلاں نبی نے ابتدائی زمانہ میں کیا کیا۔ نہایت باریک ہوتا ہے اور مؤمن کا کام ہے کہ نہایت احتیاط سے اس پر غور کرے۔ اگر کوئی شخص ایک نبی کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ اس کی ابتدائی زندگی میں اسے کوئی مادّی کام نظر نہیں آتا اور بہت بڑی کامیابی اور تغیّر دکھائی نہیں دیتا تو اسے سب نبیوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر اس کا یہ معیار درست ہے تو پچھلے انبیاء کو بھی اس پر پرکھنا چاہئے اور ان کو بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ مگر مسلمان چونکہ انبیاء کی صداقت کے قائل ہیں اس لئے انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انبیاء کے متعلق غور کرتے وقت

نہایت باریک امور کو دیکھنا چاہئے۔

اس تمہید کے بعد بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ ناصری کے متعلق قرآن اور حدیث میں جو کچھ کام بتایا گیا ہے وہ کوئی مسلمان لے لے اور جو انجیل میں بتایا گیا ہے وہ عیسائی لے لے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جو کام ان کا بتایا جائے گا اس ایک ایک کام کے مقابلہ میں سَو سَو کام اس شان اور عظمت کا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیش کردوں گا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت مسیحؑ مردے زندہ کرتے تھے تو میں کہوں گا قرآن سے بتاؤ کہ وہ کیسے مُردے زندہ کرتے تھے۔ پھر جیسے ثابت ہوں ویسے ایک کے مقابلہ میں سَو میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ کئے ہوئے بتادوں گا۔ مگر میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مُردے زندہ کرنا کام نہیں۔ اسے اگر ہم ظاہری معنوں میں لیں تو وہ معجزہ کہلائے گا۔ اسی طرح بیماروں کو اچھا کرنا بھی کام نہیں ہے اور یہ تو طبیب بھی کرتے ہیں۔ ہاں معجزات کے نتائج کام کہلا سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان معجزوں کے ذریعہ انہوں نے لوگوں میں پاکیزگی پیدا کی۔ مگر جو کوئی اس قسم کے یہ نشان بھی ثابت کرے۔ میں اس ایک کے مقابلہ میں سَو سَو اِنْشَاءَ اللّٰہُ پیش کردوں گا۔ ان کے علاوہ قرآن اور حدیث سے مسلمان یا انجیل سے عیسائی جو کام ثابت کریں ان کے مقابلہ میں سو سو میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دکھادوں گا۔

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام بیان کرنا شروع کرتا ہوں۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی کے جو روحانی کام ہوتے ہیں اور حقیقی کام وہی ہوتے ہیں اور وہی اہم ہوتے ہیں ان کے متعلق میں کچھ نہیں بیان کروں گا۔ کیونکہ میں اگر روحانی کام پیش کروں تو ایک غیر احمدی کہہ سکتا ہے کہ یہ آپ کا دعویٰ ہے اسے کس طرح مان لیا جائے۔ مثلاً نبی کا اصلی اور حقیقی کام یہ ہے کہ انسانوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کردے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے ماننے والوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کردیا تو ایک غیر احمدی کہے گا یہ آپ کا دعویٰ ہے۔ اسے حضرت مرزا صاحب کو نہ ماننے والا کس طرح تسلیم کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے میں ایسی باتوں کو چھوڑتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے موٹے موٹے کام بیان کرتا ہوں جو دوسروں کیلئے بھی قابل تسلیم ہوں۔

۱۔ پہلا کام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ہے کہ جس میں تمام نبی شریک ہیں کہ نبی خدا تعالیٰ کا ثبوت اس کی کامل صفات سے دیا کرتا ہے خدا تعالیٰ دنیا سے مخفی

ہوتا ہے اور انبیاء اس کا ثبوت اس کی کامل صفات سے دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس زمانہ میں مبعوث ہوئے اس وقت بھی خدا تعالیٰ دنیا کی نظروں سے مخفی ہو چکا تھا۔ اور ایسا مخفی ہو چکا تھا کہ حقیقی تعلق لوگوں کا اس سے بالکل نہ رہا تھا۔ خالق اور مالک کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہ تھا بلکہ یہ صرف کتابوں میں لکھا رہ گیا تھا کہ خدا ہر ایک چیز کا خالق اور مالک ہے۔ جب مسلمانوں سے پوچھا جاتا کہ خدا کے خالق ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ تو وہ کہتے قرآن میں لکھا ہے' یا کہتے کیا تم نہیں مانتے کہ خدا خالق ہے۔ اور اگر وہ خالق نہیں تو پھر اور کون ہے؟ ایسے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے ذکر کو جو حقیقت میں مٹ گیا تھا اس کی کامل صفات کے ذریعہ قائم کیا اور نشانات کے ذریعہ اس کی صفات کو ثابت کیا۔ میں نے ابھی بتایا تھا کہ نشان اپنی ذات میں کام نہیں ہوتا' ہاں نشان کا نتیجہ کام ہوتا ہے۔ اس وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشانات پیش نہیں کر رہا بلکہ یہ بتا رہا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے نشان دکھا کر خدا تعالیٰ کو کامل صفات کے ساتھ دنیا پر ظاہر کیا۔ مثلاً حضرت صاحب کا ایک الہام ہے جو ابتدائی زمانہ کا ہے کہ:۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"[۵]

یہ الہام حضرت مرزا صاحب نے اس وقت شائع کیا جب کہ آپ کو یہاں کے لوگ بھی نہ جانتے تھے۔ میرے زمانہ میں ہمارے ایک رشتہ دار نے جو قریب کے گاؤں کے رہنے والے ہیں بیعت کی اور بتایا کہ میں یہاں آیا کرتا تھا۔ آپ کے گھر بھی آیا کرتا تھا لیکن حضرت مرزا صاحب کو نہ جانتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کے والد کو جانتا تھا۔ تو حضرت صاحب ایسے گمنام انسان تھے کہ رشتہ دار بھی آپ کو نہ جانتے تھے۔ قادیان کے لوگ آپ کے واقف نہ تھے۔ ایسے زمانہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے **اس کو** قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"[۶]

دیکھو اس میں کیسی عظیم الشان خبر دی گئی ہے۔ کیا کوئی انسان کسی انسانی تدبیر سے ایسی خبر دے سکتا ہے۔ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماموریت سے پہلے ہوا۔ جس میں ایک تو یہ پیشگوئی تھی کہ آپ زندہ رہیں گے اور ماموریت کا دعویٰ کریں گے۔ دوسری

پیشگوئی یہ تھی کہ جب آپ دعویٰ کریں گے تو دنیا آپ کو ردّ کر دے گی۔ تیسری پیشگوئی یہ تھی کہ دنیا کوئی معمولی مخالفت نہ کرے گی بلکہ آپ پر ہر قسم کے حملے کئے جائیں گے۔ چوتھی پیشگوئی یہ تھی کہ خدا کی طرف سے وہ حملے ردّ کئے جائیں گے اور دنیا پر عذاب نازل ہوں گے۔ پانچویں پیشگوئی یہ تھی کہ آپ کی صداقت آخر ظاہر ہو جائے گی۔

یہ کوئی معمولی باتیں نہیں جو قبل از وقت اور اس وقت جب کہ ظاہری حالات بالکل خلاف تھے ' بتلائی گئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت شروع سے ہی اتنی کمزور تھی کہ بعض دفعہ بیماری کے حملوں کے وقت ارد گرد بیٹھنے والوں نے سمجھا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ کہتے ہیں وہ زمانہ آنے والا ہے جب ماموریت کا دعویٰ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ لوگ مخالفت کریں گے۔ یہ بات بھی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ گوجرانوالہ کے ضلع کا ایک شخص جس نے ماموریت کا دعویٰ کیا اس کے کئی خط میرے پاس آتے رہے کہ آپ اگر مجھے سچا نہیں سمجھتے تو میرے خلاف کیوں نہیں لکھتے۔ اور "الفضل" کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی کچھ نہیں لکھتا۔ موافق نہیں تو خلاف ہی لکھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ مخالفت بھی خدا ہی کی طرف سے کرائی جاتی ہے کیونکہ یہ بھی اشاعت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی چکڑالویوں کے رسالہ پر کئی دفعہ اس کے ایڈیٹر کی طرف سے لکھا ہوا ملا کہ میرا جواب کیوں نہیں دیا جاتا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پانچ سات مدعی کھڑے ہوئے مثلاً ظہیر الدین' عبداللطیف' مولوی محمد یار' عبداللہ تیماپوری' نبی بخش۔ یہ تو اشتہاری نبی ہیں ان کے علاوہ چھوٹے موٹے اور بھی ہیں مگر ان کی مخالفت بھی نہیں ہوئی اور ان کو یہ بات بھی میسّر نہ آئی۔ ان مدعیوں نے کھڑے ہو کر دکھا دیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مرزا صاحب کی لوگوں نے مخالفت کی اس لئے وہ سچے نہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو تو مخالفت بھی نصیب نہیں ہوتی۔

پھر مخالفتیں زبانی حد تک بھی محدود رہتی ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے متعلق خدا تعالیٰ نے تیسری پیشگوئی یہ فرمائی کہ معمولی مخالفت نہ ہوگی۔ بلکہ ایسی ہوگی جس کو ردّ کرنے کیلئے خدا تعالیٰ زور آور حملے کرے گا۔ یعنی ایک تو سخت حملے ہوں گے دوسرے کئی اقسام کے ہوں گے اور کئی جماعتوں کی طرف سے ہونگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن بھی سخت حملے کریں گے

اور کئی اقسام کے حملے کریں گے۔ جن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کو بھی اس قسم کا جواب دینا پڑے گا۔ چنانچہ مخالفین نے آپ پر قسم قسم کے حملے کئے اور یہ حملے اس حد تک پہنچ گئے کہ ایک طرف گورنمنٹ آپ کو گرفتار کرنے کیلئے تُلی بیٹھی تھی دوسری طرف پیر، گدی نشین اور مولوی آپ کی مخالفت پر آمادہ اور آپ کی جان کے درپے تھے۔ عام مسلمانوں نے بھی کوئی کمی نہ کی اور آپ کے خلاف منصوبوں پر منصوبے کئے۔ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں اور باقی سب قوموں نے بھی ناخنوں تک زور لگایا کہ آپ کو تباہ کردیں، آپ کو قتل کرنے کی کوششیں کی گئیں، آپ پر اتہام لگائے گئے، آپ کی عزت و آبرو، آپ کی دیانت اور امانت، آپ کے تقویٰ و طہارت پر حملے کئے گئے مگر سب ناکام رہے اور آپ کی عزت بڑھتی گئی۔ چوتھی پیشگوئی یہ تھی کہ ان حملوں کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حملے ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس نے جس رنگ میں آپ پر حملہ کیا تھا اسی رنگ میں وہ پکڑا گیا۔ پانچویں پیشگوئی جو آخری بات تھی کہ خدا تعالیٰ آپ کی صداقت ظاہر کردے گا۔ اس کے ثبوت میں یہ جلسہ موجود ہے اس وقت تمام دنیا میں آپ کے ماننے والے موجود ہیں۔ امریکہ میں موجود ہیں۔ یورپ میں موجود ہیں۔ افریقہ میں موجود ہیں۔ ایشیاء کے ہر علاقہ میں موجود ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں اتنے امریکہ کے باشندے مسلمان نہیں ہوئے جتنے احمدیوں کی قلیل ترین جماعت کی کوششوں سے ہوئے ہیں۔ اس وقت ایک ایسے امریکن مسلمان کے مقابلہ میں سو احمدی امریکن ہیں۔ اسی طرح ہالینڈ میں جہاں دوسرے مسلمانوں کا بنایا ہوا ایک بھی مسلمان نہیں، احمدی مسلمان موجود ہیں۔ اور کئی ایسے ممالک ہیں جہاں احمدی باشندوں کی تعداد اس ملک کے مسلمانوں سے زیادہ ہے یہ کتنا بڑا نشان ہے۔ اور زور آور حملوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ظاہر ہونے کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

ہندوستان میں ہی دیکھ لو۔ دوسروں کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کی کیسی کمزور حالت ہے مگر کتنی ترقی کر رہی ہے۔ کسی نے کہا ہے سوامی دیانند اور حَسن بن صباح کے ماننے والوں نے بھی ترقی کی تھی۔ انہوں نے ترقی کی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ کیا کمزوری کی حالت میں انہوں نے دعویٰ بھی کیا تھا کہ ایسی ترقی ہوگی اور اس ترقی کے دعویٰ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے شائع بھی کیا تھا۔ اتفاقی طور پر ترقی ہو جانا اور بات ہے اور دعویٰ کے بعد ترقی ہونا اور بات

ہے۔ لارڈ ریڈنگ کے جو وائسرائے ہند رہ چکے ہیں' پہلے مزدور تھے جو ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گئے۔ مگر یہ اتفاقی باتیں ہوتی ہیں۔ صداقت کی علامت وہ ترقی ہوتی ہے جس کا پہلے سے دعویٰ کیا جائے اور پھر وہ دعویٰ پورا ہو جائے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور الہام ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" ۸؎

اب دیکھ لو کہ دنیا میں کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں اصل باشندوں میں سے دوسرے فرقوں کے مسلمان نہیں مگر احمدی ہیں۔ اس سے بڑھ کر دنیا کے کناروں تک آپ کی تبلیغ کے پہنچنے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اسی طرح آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میری مخالفت مٹتی جائے گی اور قبولیت پھیلتی جائے گی۔ جب آپ نے اپنا دعویٰ دنیا کے سامنے پیش کیا تو خطرناک طور پر آپ کی مخالفت ہوئی مگر اس وقت آپ نے فرمایا۔ ؎

وہ گھڑی آتی ہے جب عیسیٰ پکاریں گے مجھے
اب تو تھوڑے رہ گئے دجّال کہلانے کے دن

اس وقت سوائے دجال کے آپ کا کوئی نام نہ رکھا جاتا تھا۔ لیکن آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کا کام اتنا تو نمایاں ہو چکا ہے کہ جو لوگ ابھی آپ کی جماعت میں داخل نہیں ہوئے ان کا بھی بہت بڑا حصہ کہتا ہے کہ آپ کو دجال نہیں کہنا چاہئے آپ نے بھی اچھا کام کیا ہے۔

اسی طرح قادیان کی ترقی بھی بہت بڑا نشان ہے آخری جلسہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہوا' اس میں سات سو آدمی کھانا کھانے والے تھے۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لئے نکلے تو اس لئے واپس چلے گئے کہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے گرد اڑتی ہے۔ اب دیکھو اگر سات ہزار بھی جلسہ پر آئیں تو شور پڑ جائے کہ کیا ہو گیا ہے کیوں اتنے تھوڑے لوگ آئے ہیں۔ ہر سال آنے والوں میں زیادتی ہوتی ہے۔ پچھلے سال کی ستائیں تاریخ کی حاضری کی نسبت اس سال کی حاضری میں نو سَو کی زیادتی ہے۔ گویا جتنے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں آخری

جلسہ پر آئے تھے اس سے بہت زیادہ آدمیوں کی زیادتی ہر سال کے جلسہ کی حاضری میں ہو جاتی ہے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہزاروں پیشگوئیاں ہیں جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

میں جلسہ کے موقع پر ہی ایک کتاب دیکھ رہا تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ "سراج منیر" ایک کتاب ہم شائع کریں گے مگر اس کی اشاعت میں تعویق ہوگئی ہے کیونکہ اس کے لئے سو روپیہ کی ضرورت ہے۔ گویا وہ کتاب جو ایک سو روپیہ کیلئے اس وقت رکی رہی۔ مگر اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بلکہ آپ کے خلیفہ نے کہا تو دو لاکھ بیاسی ہزار کے وعدے ہو گئے۔ ☆

غرض خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے اس طرح اپنی صفات کے ثبوت دیئے ہیں جس طرح کہ وہ پہلے نبیوں کے ذریعہ سے دیتا چلا آیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "احمدیت" میں کسی قدر تفصیل سے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہوا ہے۔ مگر اس کتاب میں بھی پوری تفصیل سے نہیں لکھ سکا۔ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو کسی وقت خدا تعالیٰ کی ساری صفات کے متعلق جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ظاہر ہوئیں' ایک کتاب لکھوں گا اور بتاؤں گا کہ آپ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی تمام صفات ثابت ہوئی ہیں اور یہی نبی کا کام ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا دوسرا کام

نبی کا ایک کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کام کرنے والی جماعت پیدا کر جاتا ہے۔ ہماری جماعت کی کمزوری مالی لحاظ سے اور تعداد کے لحاظ سے دیکھو اور پھر اس کے مقابلہ میں اس کے کاموں کی وسعت کو دیکھو۔ کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو کام جماعت احمدیہ کر رہی ہے وہ کوئی اور قوم نہیں کر رہی۔ غیر احمدی اخباروں میں چھپتا رہتا ہے کہ کام کرنے والی ایک ہی جماعت ہے اور وہ جماعت احمدیہ ہے۔ روس' فرانس' ہالینڈ' آسٹریلیا' امریکہ' انگلینڈ وغیرہ ممالک میں

☆ حضور کا یہ اشارہ ریزرو فنڈ کے متعلق تھا جس کی تحریک پر احباب نے جو وعدے لکھائے ان کی مجموعی رقم دو لاکھ بیاسی ہزار ہو گئی تھی۔

ہماری طرف سے اسلام کی تبلیغ ہوئی۔ اور اب تو لوگ ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمارے مُلک میں آکر تبلیغ کرو چنانچہ ایران سے مطالبہ آیا ہے کہ بہائیوں کے مقابلہ کیلئے احمدیوں کو آنا چاہئے۔ بعض لوگ آریوں کا کام مقابلہ میں پیش کرتے ہیں مگر ان لوگوں کے مالوں اور ہمارے مالوں کو دیکھو۔ پھر ان کے کاموں کی وسعت اور ہمارے کاموں کی وسعت کو دیکھو۔ ہندوؤں میں سے بعض ایسے مالدار ہیں کہ وہ اکیلے اتنا روپیہ دے سکتے ہیں جتنا ہماری ساری جماعت مل کر سارے سال میں نہیں دے سکتی۔ اور ایک دو نہیں بلکہ خاصی تعداد میں ایسے لوگ ان میں موجود ہیں۔ مگر باوجود اس کے ساری ہندو قوم نے مل کر علاقہ ملکانا میں حملہ کیا۔ مگر جب ہمارے مبلّغ پہنچے تو سب بھاگ گئے اس وقت دہلی میں ہندو مسلمانوں کی ایک کانفرس ہوئی جس میں یہ سوال پیش ہوا کہ آؤ صلح کرلیں۔ اس کانفرنس کو منعقد کرنے والے حکیم اجمل خان صاحب' ڈاکٹر انصاری' مولوی محمد علی صاحب اور مولوی ابوالکلام صاحب آزاد تھے اور ہندوؤں کی طرف سے شردھانند صاحب وغیرہ۔ جیسا کہ علماء کا ہمارے متعلق طریق عمل رہا ہے انہوں نے کہا کہ احمدیوں کو بلانے کی کیا ضرورت ہے اور وہ خود صلح کی شرائط طے کرنے لگے۔ لیکن شردھانند جی نے کہا کہ احمدی بھی اس علاقہ میں کام کر رہے ہیں' ان کو بلانا چاہئے۔ اس پر میرے نام حکیم اجمل خان صاحب' ڈاکٹر انصاری اور مولوی ابوالکلام صاحب کا تار آیا کہ اپنے قائم مقام بھیجئے۔ میں نے یہاں کے آدمیوں کو بھیجا۔ اور انہیں بتا دیا کہ ملکانوں کے متعلق سوال اٹھے گا اور کہا جائے گا کہ ہندو مسلمان اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں مگر ہندوؤں نے بیس ہزار ملکانوں کو مرتد کر لیا ہے اس لئے جب یہ سوال پیش ہو تو آپ کہیں کہ ہمیں ۲۰ ہزار مرتدوں کو کلمہ پڑھا لینے دیجئے' تب اس شرط پر صلح ہوگی اور ہم وہاں سے واپس آجائیں گے۔ ورنہ جب تک ایک ملکانا بھی مرتد رہے گا ہم وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ چنانچہ جب ہمارے آدمی کانفرنس میں پہنچے تو یہی سوال پیش ہوا۔ اور انہوں نے یہی بات کہی جو میں نے بتائی تھی۔ اس پر مولویوں نے کہا احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے ان کو چھوڑ دیجئے اور ہم سے صلح کیجئے۔ شردھانند جی نے اس وقت ان سب کے سامنے کہا آپ کے اگر پچاس آدمی بھی وہاں ہوں تو ہمیں ان کی پرواہ نہیں۔ لیکن جب تک ایک بھی احمدی وہاں ہوگا صلح نہیں ہو سکتی۔ احمدیوں کو پہلے اس علاقہ سے نکالو اور پھر صلح کے لئے آگے بڑھو۔

غرض جماعت احمدیہ کے کام کی اہمیت کا ان لوگوں کو بھی اقرار ہے جو جماعت میں داخل

نہیں ہیں۔ بلکہ جو اسلام کے دشمن ہیں وہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ ابھی کلکتہ میں ڈاکٹر زویمر کے لیکچر ہوئے۔ یہ ڈاکٹر صاحب عیسائیوں میں سے سب سے زیادہ اسلام کے متعلق واقفیت رکھنے کے مدعی ہیں۔ مصر میں ایک رسالہ "مسلم ورلڈ" نکالتے ہیں۔ پچھلی دفعہ جب آئے تو قادیان بھی آئے تھے اور یہاں سے جا کر انہوں نے بعض دوسرے شہروں میں اشتہار دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر زویمر جو قادیان سے بھی ہو آیا ہے ان کا لیکچر ہوگا۔ کچھ عرصہ ہوا وہ کلکتہ گئے اور وہاں انہوں نے لیکچر دیا۔ مولوی عبدالقادر صاحب ایم اے پروفیسر جو میری ایک بیوی کے بھائی ہیں' انہوں نے کچھ سوال کرنے چاہے۔ اس پر دریافت کیا گیا کہ کیا آپ احمدی ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اس پر کہہ دیا گیا ہم احمدیوں سے مباحثہ نہیں کرتے۔ مصر میں انہی صاحب کی کوشش سے کئی آدمی مسیحی بنالئے گئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شخص عبدالرحمٰن صاحب مصری کو جو ان دنوں مصر میں تھے مل گیا۔ انہوں نے اسے احمدی نقطہ نگاہ سے دلائل سمجھائے۔ وہ پادری زویمر کے پاس گیا اور جا کر گفتگو کی۔ اور کہا حضرت مسیح زندہ نہیں بلکہ قرآن کریم کے رو سے فوت ہو گئے۔ اس پادری نے کہا کہ کسی احمدی سے تو تم نہیں ملے؟ اس مصری نے کہا۔ ہاں ملا ہوں۔ یہ جواب سن کر وہ گھبرا گئے اور آئندہ بات کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ غرض خدا کے فضل سے ہماری جماعت کو مذہبی دنیا میں ایسی اہمیت حاصل ہو رہی ہے کہ دنیا حیران ہے اور یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہے۔ اور آپ کے اس کام کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

یہ باتیں جو میں نے بیان کی ہیں یہ بھی چونکہ ایمانیات سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے میں اور نیچے اترتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمی کام بیان کرتا ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا تیسرا کام

تیسرا کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق لوگوں کے خیالات میں جو فساد پڑ گیا تھا' اس کی آپ نے اصلاح کی ہے۔ مذہب میں سب سے بڑی ہستی خدا تعالیٰ کی ہستی ہے۔ مگر اس کی ذات کے متعلق مسلمانوں میں اور دوسرے مذہبوں میں اتنا اندھیر مچا ہوا تھا اور ایسی خلافِ عقل باتیں بیان کی جاتی تھیں کہ ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو توجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس خرابی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دور کیا۔

خدا تعالیٰ کے متعلق یہ غلط خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ (۱) شرک جلی اور خفی میں لوگ مبتلا تھے (۲) بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ یقین رکھتے تھے کہ اگر خدا ہے تو وہ **عِلَّتُ الْعِلَل** ہے۔ وہ اس کی قوت ارادی کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح مشین چلتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ سے دنیا کے کام ظاہر ہو رہے ہیں۔ ہزاروں علتوں میں سے وہ ایک علت ہے گو آخری اور سب سے بڑی۔ مگر بہرحال ایک اضطرار کے رنگ میں اس کے سب افعال صادر ہوتے ہیں۔ مسلمان کہلانے والوں میں سے بھی فلسفہ کے دلدادہ اس خیال سے متأثر ہو چکے تھے (۳) بعض لوگ خیال کر رہے تھے کہ دنیا آپ ہی آپ بنی ہے اور قدیم ہے۔ خدا تعالیٰ کا جوڑنے جاڑنے سے زیادہ دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض مسلمان بھی اس غلطی میں مبتلا تھے (۴) بعض لوگ خدا تعالیٰ کے رحم کا انکار کرنے لگ گئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خدا میں رحم کی صفت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ عدل کے خلاف ہے (۵) بعض لوگ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایسا ناقص اندازہ کرنے لگ گئے تھے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی صفات کے ظہور کو چند ہزار سال میں محدود کر دیا تھا اور خیال کرتے تھے کہ بس خدا تعالیٰ کی صفات انہی چند ہزار سال میں ظاہر ہوئی ہیں اور اگر اس دور کو لمبا بھی کرتے تھے تو اتنا کہ گو اس دنیا کی عمر لاکھوں سال کی مانتے تھے مگر خدا تعالیٰ کی صفات کے ظہور کو اسی دور کے ساتھ محدود کرتے تھے۔

(۶) بعض لوگ خدا کی قدرت کو غلط طریق سے ثابت کرتے ہوئے یہ کہتے کہ خدا جھوٹ بھی بول سکتا ہے، چوری بھی کر سکتا ہے۔ اگر نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا کہ اس میں قدرت نہیں ہے۔

(۷) بعض لوگ خدا تعالیٰ کو قانون قضاء وقدر جاری کرنے کے بعد بالکل بیکار سمجھتے اور اس وجہ سے کہتے تھے کہ دعا کرنا فضول ہے۔ جب خدا کا قانون جاری ہو گیا کہ فلاں بات اس طرح ہو تو دعا کرنا بے فائدہ ہے۔ دعا سے اس قانون میں روکاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی۔

(۸) خدا تعالیٰ کی صفات کے اجراء کا مسئلہ بالکل **لَایَنْحَلْ** سمجھا جانے لگا تھا لوگ خدا تعالیٰ کی سب صفات کے ایک ہی وقت میں جاری ہونے کا علم نہ رکھتے تھے اور سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ جو **شَدِیْدُ الْعِقَاب** ہے وہ اس صفت کو رکھتے ہوئے ایک ہی وقت میں **وَھَّاب** کس طرح ہو سکتا ہے وہ حیران تھے کہ کیا ایک انسان کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑا سخی ہے اور بڑا بخیل بھی ہے۔ اگر نہیں تو خدا کے لئے کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ہی

وقت میں **قَھَّار** بھی ہے اور رَحِیم بھی۔ چونکہ قرآن میں خدا تعالیٰ کی ایسی صفات آئی ہیں جو بظاہر آپس میں مخالفت رکھتی ہیں اس لئے وہ لوگ حیران تھے۔

(۹) بعض لوگ اس خیال میں پڑے ہوئے تھے کہ ہر چیز خدا ہی خدا ہے اور بعض اس وہم میں پڑے ہوئے تھے کہ ایک تخت ہے، خدا تعالیٰ اس پر بیٹھا ہوا حکم کرتا ہے۔

(۱۰) خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں رہی تھی۔ حتّٰی کہ جب کوئی مکان یا گھر ویران ہو جاتا تو کہتے کہ اب تو اس میں اللہ ہی اللہ ہے۔ یا کسی کے پاس کچھ نہ رہتا تو کہا جاتا کہ اب تو اس کے پاس اللہ ہی اللہ ہے جس کا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالیٰ بھی ایک خُلُوّ ہی کا نام ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے ملنے کی تڑپ بالکل مٹ گئی تھی۔ جنوں اور بھوتوں کی ملاقات، عملِ حُبّ اور عملِ بُغض کی خواہش تو لوگوں میں تھی۔ لیکن اگر نہ تھی تو خدا تعالیٰ کی ملاقات کی خواہش نہ تھی۔

ان اختلافات کے طوفان کے وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہوئے اور آپ نے ان سب غلطیوں سے مذہب کو پاک کر دیا۔ سب سے پہلے میں شرک کو لیتا ہوں۔ آپ نے شرک کو پورے طور پر رد کیا اور توحید کو اپنے پورے جلال کے ساتھ ظاہر کیا۔ آپ سے پہلے مسلمان علماء تین قسم کا شرک مانتے تھے۔ (۱) بتوں، فرشتوں اور معیّن چیزوں کی عبادت کرنا۔ مگر باوجود اس کے عوام تو الگ رہے علماء تک قبروں پر سجدے کرتے تھے لکھنؤ میں ایک بڑے مولوی کو میں نے قبر پر سجدہ کرتے بچشم خود دیکھا ہے۔

(۲) علماء تسلیم کرتے تھے کہ کسی میں خدائی صفات تسلیم کرنا بھی شرک ہے مگر یہ صرف منہ سے کہتے تھے بڑے سے بڑے توحید پرست وہابی بھی حضرت مسیحؑ کو ایسی صفات دیتے تھے جو خدا سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ کہتے کہ وہ آسمان پر کئی سو سال سے بیٹھے ہیں۔ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ ان پر کوئی تغیّر آتا ہے۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ بعض انسانوں نے مُردے زندہ کئے تھے اور مسیح نے تو علاوہ مُردے زندہ کرنے کے پرندے بھی پیدا کئے تھے۔

(۳) بڑے بڑے عالم اور دین کے ماہر یہ مانا کرتے تھے کہ چیزوں پر اتکال کرنا یعنی یہ سمجھنا کہ کوئی چیز اپنی ذات میں فائدہ پہنچا سکتی ہے یہ بھی شرک ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ فلاں دوائی بخار اُتار دے گی تو وہ شرک کرتا ہے۔ اصل میں یوں سمجھنا چاہئے کہ فلاں دوائی خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے اثر سے فائدہ دے گی۔ کیونکہ جب تک ہر چیز میں خدا کا ہی جلوہ نظر

نہ آئے اس وقت تک اس سے فائدہ کی امید رکھنا شرک ہے۔

یہ شرک کی بہت عمدہ تعریف ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے بھی اوپر تعریف بیان کی ہے جس کی نظیر پچھلے تیرہ سو سال میں نہیں ملتی۔ آپ نے توحید کے متعلق مختلف کتابوں میں مضامین لکھے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو باتیں لوگوں نے بیان کی ہیں ان کے اوپر اور ان سے بالا ایک اور درجہ کامل توحید کا ہے۔ آخری درجہ پچھلے علماء نے توحید کا یہ بیان کیا تھا کہ ہر چیز میں خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آئے۔ گو یہ صحیح ہے مگر ہے تو آخر اپنا خیال ہی۔ کیونکہ جو شخص اپنے ذہن میں یہ خیال جماتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے وہ اس توحید کو خود پیدا کر رہا ہے اور اپنی پیدا کی ہوئی توحید کامل توحید نہیں کہلا سکتی۔ توحید وہی کامل ہوگی کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف جلوہ گر ہو۔ اور جس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ خود ماسویٰ کو مٹا ڈالے اور یہی توحید اصلی توحید ہے اور اسی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اور قرآن کریم نے اور تمام انبیاء نے پیش کیا ہے یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہو جائے کہ اسے اس امر کی ضرورت نہ رہے کہ وہ سوچے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے بلکہ خدا تعالیٰ اپنے ایک ہونے کو خود اس کے لئے ظاہر کر دے۔ اور ہر چیز میں خدا تعالیٰ اس کے لئے اپنا ہاتھ دکھائے۔ اور ہر چیز اس کے لئے بطور شفاف شیشہ کے ہو جائے کہ جس طرح وہ اپنے آپ کو بیچ میں سے غائب کر دیتا ہے اور اس کے پرے ہر چیز نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح تمام دنیا کی اشیاء ایسے انسان کے لئے بہ منزلہ آئینہ ہو جائیں۔ اور وہ اپنے خیال سے ان میں اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو خاص طور پر ظاہر کر کے ہر چیز میں سے اسے نظر آنے لگے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خالی عقیدہ رکھنا کہ ہر چیز میں خدا کا ہاتھ ہے یہ اعلیٰ توحید نہیں۔ بلکہ کمال توحید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر چیز میں سے اپنا ہاتھ دکھائے۔ جب ایسا ہو تب خدا تعالیٰ واقعہ میں ہر چیز میں نظر آتا ہے، محض ہمارا خیال نہیں ہوتا۔

یہ ایسی توحید ہے جو عقیدہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ انسان کے تمام اعمال پر حاوی ہے ایک مسلمان کی اخلاقی، تمدنی، سیاسی، معاشرتی غرضیکہ ہر قسم کی زندگی پر حاوی ہے۔ جب انسان کھانا کھائے تو خدا اس کھانے میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہو اور کھانے کی تمام ضرورتوں اور اس کی حدود کو اس پر ظاہر کر رہا ہو اور اپنا جلال دکھا رہا ہو، جب پانی پیئے تو بھی اسی طرح ہو، جب دوستوں سے ملے تب بھی ایسا ہی ہو۔ غرض ہر ایک کام جو وہ کرے خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہو

اور اس میں اپنی قدرت اس کے لئے ظاہر کر رہا ہو۔

یہ کامل توحید کا درجہ ہے جب کسی کو یہ حاصل ہو جائے تو اس کے بعد کسی قسم کا شُبہ باقی نہیں رہتا۔ اور اسی توحید پر ایمان لانا مدارِ نجات ہے۔ اور اسی کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی اور بیٹھے ہوئے بھی اور پہلوؤں پر بھی اور زمین اور آسمانوں کی پیدائش کے متعلق فکر کرتے ہیں' خدا ان کے سامنے آ جاتا ہے۔ اور وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے ہمارے رب! یہ چیزیں جو تو نے بنائی تھیں لغو نہ تھیں۔ ان کے ذریعہ ہم تجھ تک آ گئے ہیں۔ تو پاک ہے اب ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ ہم اس مقام سے ہٹ جائیں اور ہجر کی آگ ہمیں بھسم کر دے۔

اب پیشتر اس کے کہ میں ان دوسری غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذکر کروں جو خدا تعالیٰ کے متعلق لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں' میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان سب غلطیوں کے دور کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اصل پیش کیا ہے جو ان سب غلطیوں کا ازالہ کر دیتا ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[9] ہے۔ پس اس کے متعلق کوئی بات ہم مخلوق پر قیاس کر کے نہیں کہہ سکتے۔ اس کے متعلق ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ خود اسی کی صفات پر مبنی ہونا چاہئے ورنہ ہم غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ جو عقیدہ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت رکھتے ہیں وہ اس کی دوسری صفات کے جنہیں ہم تسلیم کرتے ہیں مطابق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو یقیناً ہم غلطی پر ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات متضاد نہیں ہو سکتیں۔

اس اصل کے بتانے سے آپ نے ایک طرف تو ان غلطیوں کا ازالہ کر دیا جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں اور دوسری طرف غیر مذاہب کی غلطیوں کی بھی حقیقت کھول دی ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں میں کئی قسم کی غلطیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں سے توحید کے متعلق جو اصلاح حضرت مسیح موعودؑ نے کی ہے اسے میں اوپر بیان کر آیا

ہوں۔ جو دوسری غلطیاں ہیں ان سب کی اصلاح حضرت مسیح موعودؑ نے اوپر کے بیان کئے ہوئے اصل کے ماتحت کی ہے۔

چنانچہ دوسری غلطی اللہ تعالیٰ کے متعلق مختلف مذاہب کے پیروؤں میں یہ پیدا ہو رہی تھی کہ وہ اسے **عِلَّتُ الْعِلَل** قرار دیتے تھے۔ یعنی اس کی قوت ارادی کے منکر تھے۔ اس غلطی کا ازالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفت حکیم اور قدیر سے کیا ہے۔ تمام مذاہب خدا تعالیٰ کے حکیم اور قدیر ہونے کے قائل ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ حکیم اور قدیر ہے تو **عِلَّتُ الْعِلَل** نہیں ہو سکتا بلکہ بالارادہ خالق ہے۔ کسی مشین کو کوئی عقلمند کبھی حکیم نہ کہے گا۔ پس اگر خدا حکیم ہے تو علت العلل نہیں ہو سکتا۔ کوئی درزی یہ نہیں کہے گا کہ میری سنگر کی مشین بڑی لائق ہے یا بڑی حکیم ہے۔ حکمت والا اس چیز کو کہا جاتا ہے جو ارادہ کے ماتحت کام کرتی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ قادر ہے۔ اور عربی میں قادر کے معنی اندازہ کرنے والے کے ہیں۔ یعنی جو ہر اک کام کا اندازہ کرتا ہو اور دیکھتا ہو کہ کس چیز کے مناسب حال کیا طاقتیں یا کیا سامان ہیں۔ مثلاً یہ فیصلہ کرے کہ گرمی کے لئے کیا قوانین ہوں اور سردی کے لئے کیا۔ کس کس حیوان کی کس کس قدر عمر ہو۔ اور یہ اندازہ کوئی بلاارادہ ہستی نہیں کر سکتی۔ پس خدا تعالیٰ کی قدیر اور حکیم صفات اس کے ارادہ کو ثابت کر رہی ہیں اور اسے قدیر اور حکیم مانتے ہوئے **عِلَّتُ الْعِلَل** نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ دنیا آپ ہی آپ بنی ہے خدا کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یعنی خدا روح اور مادہ کا خالق نہیں ہے۔ اس کا جواب آپ نے خدا کی صفت مالکیت اور رحیمیت سے دیا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی دو بڑی صفات مالکیت اور رحیمیت ہیں۔ اب اگر خدا نے دنیا کو پیدا نہیں کیا تو پھر اس پر تصرف جمانے کا بھی اسے کوئی حق نہیں ہے۔ یہ حق اسے کہاں سے حاصل ہو گیا؟ پس جب تک خدا تعالیٰ کو دنیا کا خالق نہ مانو گے دنیا کا مالک بھی نہیں مان سکتے۔

دوسری صفت خدا تعالیٰ کی رحیمیت ہے۔ رحیم کے معنی ہیں وہ ہستی جو انسان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا کسی چیز کا خالق نہیں تو وہ بدلے اس کے پاس کہاں سے آئیں گے۔ جو لوگوں کو اپنی اس صفت کے ماتحت دے گا۔ ہمارے ملک میں ایک مثل مشہور ہے کہ "حلوائی کی دکان پر داداجی کی فاتحہ"۔ کہتے ہیں کسی شخص نے اپنے دادا

کی فاتحہ دلانی تھی۔ وہ کچھ خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا اور مولوی بغیر امید کے فاتحہ پڑھنے کو تیار نہ تھے۔ آخر اس نے یہ تدبیر کی کہ مولویوں کو لے کر ایک حلوائی کی دکان پر پہنچا اور ان سے کہا۔ فاتحہ پڑھو۔ انہوں نے سمجھا کہ اس کے بعد مٹھائی تقسیم ہو گی۔ مگر جب وہ فاتحہ پڑھ چکے۔ تو وہ خاموشی سے وہاں سے چل دیا۔ یہی حالت ان لوگوں کے نزدیک خدا کی ہے۔ اگر خدا کسی چیز کا خالق ہی نہیں ہے تو بدلے کہاں سے آئیں گے؟ اور وہ کہاں سے دے گا خواہ آریہ محدود ہی بدلہ مانیں لیکن بدلہ مانتے تو ہیں اور بدلہ خدا تعالیٰ نہیں دے سکتا ہے جب کہ وہ خالق ہی نہ ہو۔ جو خود کنگال ہو اس نے بدلہ کیا دینا ہے۔

(۴) چوتھی قسم کے لوگ وہ تھے جو خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کے ہی منکر تھے ان لوگوں کو حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت اور مالکیت سے جواب دیا۔ مثلاً مسیحیوں کے مذہب کی بنیاد ہی اس امر پر ہے کہ چونکہ خدا عادل ہے اس لئے وہ کسی کا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ پس اسے دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لئے ایک کفارہ کی ضرورت پیش آئی تا اس کا رحم بھی قائم رہے اور عدل بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بے شک خدا عادل ہے۔ مگر عدل اس کی صفت نہیں۔ عدل صفت اس کی ہوتی ہے جو مالک نہ ہو۔ مالک کی صفت رحم ہوتی ہے۔ ہاں جب مالک کا رحم کام کے برابر ظاہر ہو تو اسے بھی عدل کہہ سکتے ہیں۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ مالک اور رحمٰن بھی ہے اس لئے اس کا دوسری چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے انسان کو کان، ناک، آنکھیں بغیر اس کے کسی عمل کے دی ہیں۔ کیا کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ اس کے عدل کے خلاف ہے۔ پس اگر خدا بغیر انسان کے کسی استحقاق کے یہ چیزیں اسے دے سکتا ہے تو پھر وہ انسان کے گناہ کیوں معاف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ مالک ہے اور بہ حیثیت مالک ہونے کے معاف کرنے سے اس کے عدل پر حرف نہیں آتا۔ ایک جج بے شک عام حالات میں مجرم کا جرم معاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے فیصلہ کا حق پبلک کی طرف سے ملتا ہے اور دوسروں کے حق معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ لیکن خدا تعالیٰ اگر معاف کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اسے فیصلہ کا حق دوسروں کی طرف سے نہیں ملا بلکہ اسے یہ حق ملکیّت اور خالقیّت کی وجہ سے اپنی ذات میں حاصل ہے۔ پس اس کا عفو عدل کے خلاف نہیں۔

(۵) پانچویں قسم کے وہ لوگ تھے جو خدا کی صفتِ خالقیّت کو ایک زمانہ تک محدود کرتے

تھے۔ ان کو آپ نے خدا تعالیٰ کی صفت قیوم سے جواب دیا۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی صفات چاہتی ہیں کہ ان میں تعطّل نہ ہو بلکہ وہ ہمیشہ جاری رہیں۔ قیوم کے معنی ہیں قائم رکھنے والا۔ اور یہ صفت تمام صفات پر حاوی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات میں تعطّل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے جو اصل پیش کیا اور جو تھیوری بیان کی ہے وہ باقی دنیا سے مختلف ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فلاں وقت سے دنیا کو پیدا کیا۔ گویا اس سے قبل خدا بے کار تھا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہمیشہ سے چلی آرہی ہے گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ یہ ماننا بھی کہ کسی وقت خدا کی صفات میں تعطّل تھا خدا تعالیٰ کی صفت قیوم کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کہ جب سے خدا تعالیٰ ہے تبھی سے دنیا چلی آرہی ہے' خدا کی صفات کے خلاف ہے۔ شائد بعض لوگ کہیں کہ دونوں باتیں کس طرح غلط ہو سکتی ہیں دونوں میں سے ایک نہ ایک تو صحیح ہونی چاہئے۔ لیکن یہ ان کا خیال مادیات پر قیاس کرنے کے سبب سے ہو گا۔ اصل میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو عقل انسانی سے بالا ہوتی ہیں۔ اور عقل ان کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ دنیا کا پیدا ہونا چونکہ انسانوں' جمادات بلکہ ذرّات کی پیدائش سے بھی پہلے کا واقعہ ہے اس لئے انسانی عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ جو دو عقیدے لوگوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں ان پر غور کر کے دیکھ لو کہ دونوں بالبداہت غلط نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ جب سے خدا ہے اسی وقت سے دنیا کا سلسلہ ہے تو پھر اسے دنیا کو بھی خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ماننا پڑے گا اور اگر کوئی یہ کہے کہ پیدائش کا سلسلہ کروڑوں یا اربوں سالوں میں محدود ہے تو پھر اسے یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ خدا تعالیٰ ازل سے نکما تھا صرف چند کروڑ یا چند ارب سال سے وہ خالق بنا۔ اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پس صحیح یہی ہے کہ اس امر کی پوری حقیقت کو انسان پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اور سچائی ان دونوں دعووں کے درمیان درمیان میں ہے یہ مسئلہ بھی اسی طرح محیّر العقول ہے جس طرح کہ زمانہ اور جگہ کا مسئلہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کو محدود یا غیر محدود ماننا دونوں ہی عقل کے خلاف نظر آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بحث کا یوں فیصلہ فرمایا ہے کہ نہ خدا تعالیٰ کی صفتِ خالقیّت کبھی معطّل ہوئی اور نہ دنیا خدا کے ساتھ چلی آرہی ہے اور صداقت ان دونوں امور کے درمیان ہے۔ اور اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی ہے کہ

مخلوق کو قدامت نوعی حاصل ہے گو قدامتِ ذاتی کسی شے کو حاصل نہیں۔ کوئی ذرہ، کوئی روح، کوئی چیز ماسوی اللہ ایسی نہیں کہ جسے قدامتِ ذاتی حاصل ہو۔ لیکن یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے اپنی صفت خلق کو ظاہر کرتا چلا آیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدامت نوعی کا بھی وہ مفہوم نہیں لیا جو دوسرے لوگ لیتے ہیں جو یہ ہے کہ جب سے خدا ہے تب سے مخلوق ہے۔ یہ ایک بیہودہ عقیدہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے قائل نہیں۔

یہ کہنا کہ جب سے خدا ہے تب سے مخلوق ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ جو دونوں باطل ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا بھی ایک عرصہ سے ہے اور مخلوق بھی۔ کیونکہ جب کا لفظ وقت کی طرف خواہ وہ کتنا ہی لمبا ہو اشارہ کرتا ہے اور ایسا عقیدہ بالکل باطل ہے۔ دوسرے معنی اس جملہ کے یہ بنتے ہیں کہ مخلوق انہی معنوں میں ازلی ہے کہ جن معنوں میں خدا تعالیٰ ہے۔ اور یہ معنے بھی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں اور عقل کے بھی۔ خالق اور مخلوق ایک ہی معنوں میں ازلی نہیں ہو سکتے۔ ضروری ہے کہ خالق کو تقدم حاصل ہو اور مخلوق کو تاخر۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کبھی نہیں لکھا کہ مخلوق بھی ازلی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ مخلوق کو قدامتِ نوعی حاصل ہے اور قدامت اور ازلیت میں فرق ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مخلوق کو قدامتِ نوعی تو حاصل ہے مگر ازلیت نہیں۔ خالق مخلوق پر بہر حال مقدم ہے اور دورِ وحدت دورِ خلق سے پہلے ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خالق اور مخلوق کے اس تعلق کو سمجھنا کہ خالق کو ازلیت بھی اور دورِ وحدت کو تقدیم بھی حاصل ہو اور مخلوق کو قدامتِ نوعی بھی حاصل ہو، انسانی عقل کے لئے مشکل ہے لیکن صفاتِ الٰہیہ پر غور کرنے سے یہی ایک عقیدہ ہے جو شان الٰہی کے مطابق نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے عقائد یا تو شرک پیدا کرتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی صفات پر ناقابل قبول حد بندیاں لگاتے ہیں۔ اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق وہی عقیدہ درست ہو سکتا ہے جو اس کی دوسری صفات کے مطابق ہو۔ جو ان کے خلاف ہے وہ عقیدہ قابل قبول نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے۔ اس کے افعال کی کُنہ کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کرنا جس طرح کہ انسان کے افعال کو سمجھا جاتا ہے عقل سے بعید ہے۔ پس جب کہ خلقِ عالَم کا مسئلہ ایسے امور سے تعلق رکھتا ہے جن کو انسانی عقل پورے طور پر سمجھ

نہیں سکتی تو بہترین طریق اور صحیح طریق یہی ہوگا کہ اسے مادی قواعد سے حل کرنے کی بجائے صفات الٰہیہ سے حل کیا جائے تا کہ غلطی کے امکان سے حفاظت حاصل ہو جائے اور یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اختیار کیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ وقت کا غلط مفہوم جو اس وقت تک دنیا میں قائم ہے وہ بھی اس مسئلہ کے سمجھنے میں روک ہے اور کچھ بھی تعجب نہیں کہ آئنسٹائن[۱] کی تھیوری (فلسفۂ نسبت) ترقی پاتے پاتے اس مسئلہ کو زیادہ قابل فہم بنا دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ دورِ وحدت مقدّم ہے اور یہ اوپر کے بیان کے مخالف نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ آئندہ کیلئے بھی دور وحدت کی خبر دیتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ ارواح کے لئے غیر مجذوذ انعام تسلیم فرماتے ہیں۔ اور آریوں کے اس عقیدہ کو ردّ فرماتے ہیں کہ اربوں سال کے بعد ارواح پھر مکتی خانہ سے نکال دی جائیں گی۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک آئندہ کسی اور وحدت کا آنا اور اس کے ساتھ ارواح کا فنا سے محفوظ رہنا دور وحدت کے خلاف نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دورِ وحدت کا اصل مفہوم لوگوں نے نہیں سمجھا۔ مرنے کے بعد کی حالت دور وحدت ہی ہے کیونکہ اس وقت اپنا عمل نہیں ہوتا بلکہ انسان خدا کے تصرّف کے ماتحت چلتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد انسان مشین کی طرح ہوتا ہے۔ دار العمل (یعنی بالارادہ عمل) اس دنیا میں ختم ہو جاتا ہے اور یہی حالت مخلوق کی نسبت سے دورِ وحدت کے منافی ہے۔

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایک اور بحث بھی پیدا ہو رہی تھی اور وہ یہ کہ اس کی قدرت کے مفہوم کو غلط سمجھا جا رہا تھا۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ خدا قادر ہے اس لئے وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے یا فنا بھی ہو سکتا ہے۔ بعض کہتے کہ نہیں اس کی صفات اسی قدر ہیں جو اس نے بیان کی ہیں اور وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جھگڑا کا بھی فیصلہ کر دیا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے قدیر ہونے کی صفت کو اس کی دوسری صفات کے مقابلہ پر رکھو اور پھر اس کے متعلق غور کرو۔ جہاں یہ نظر آتا ہے کہ خدا قدیر ہے وہاں یہ بھی تو ہے کہ خدا کامل ہے اور فنا کمال کے خلاف ہے۔ دیکھو اگر کوئی کہے کہ میں بڑا پہلوان ہوں، بڑا طاقتور ہوں تو کیا اسے یہ کہا جائے گا کہ

تمہاری طاقت ہم تب تسلیم کریں گے جب تم زہر کھا کر مرجاؤ۔ یہ اس کی طاقت کی علامت نہیں بلکہ اُلٹ ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے کامل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس میں نقائص اور کمزوریاں بھی ہوں۔ دراصل ان لوگوں نے قدرت کے معنے نہیں سمجھے۔ کیا اگر کوئی کہے کہ میں بہت طاقتور ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ اگر طاقتور ہو تو نجاست کھالو۔ یہ طاقت کی علامت نہیں بلکہ یہ کمزوری ہے اور کمزوری خدا تعالیٰ میں پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ کامل ہستی ہے۔

(۷) ایک ساتواں گروہ تھا، جس کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا قضاء وقدر جاری کرنے کے بعد خالی ہاتھ ہو بیٹھا ہے۔ اس لئے کسی کی دعا نہیں سن سکتا۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا۔ بے شک خدا تعالیٰ نے قضاء وقدر جاری کی ہے مگر ان میں سے ایک قضاء یہ بھی ہے کہ جب بندے دعائیں مانگیں تو ان کی دعا سنوں گا۔ یہ کتنا چھوٹا لیکن کیسا تسلی بخش جواب ہے۔ فرماتے ہیں بے شک خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بندہ بدپرہیزی کرے تو بیمار ہو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اگر وہ گڑگڑا کر دعا مانگے تو اچھا بھی کر دیا جائے۔ پس باوجود قضاء وقدر جاری ہونے کے خدا کا عمل تصرف بھی جاری ہے۔

اس جواب کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عملی طور پر بھی دعا کی قبولیت کے ثبوت پیش فرمائے۔

(۸) خدا تعالیٰ کی صفات کے اجرا کے متعلق بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے اسے بھی دور کیا اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت کا ایک دائرہ ہے ایک ہی وقت میں وہ رحیم ہے اور اسی وقت میں **شَدِيْدُ الْعِقَاب** بھی ہے ایک شخص جسے پھانسی کی سزا ملی وہ چونکہ مجرم ہے اس لئے اسے خدا تعالیٰ کی صفت **شَدِيْدُ الْعِقَاب** کے ماتحت سزا ملی۔ مگر جہاں اس کی جان نکل رہی تھی وہاں ایسی تائیدیں جو موت سے تعلق نہیں رکھتیں وہ بھی اس کے لئے جاری تھیں انسانوں کی یہ حالت نہیں ہو سکتی کہ ایک ہی وقت میں ان کی ساری صفات ظاہر ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک انسان رحم بھی کر رہا ہو اور اسی وقت ویسے ہی زور سے عذاب کا اظہار بھی کر رہا ہو۔ مگر خدا تعالیٰ چونکہ کامل ہے اس لئے ایک ہی وقت میں اس کی ساری صفات یکساں زور سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہو اور ساتھ رحم نہ ہو تو دنیا تباہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا صرف رحم جاری ہو اور غضب بند ہو جائے تو مجرم چھوٹ جائیں اور اس طرح بھی تباہی برپا ہو جائے۔ پس خدا تعالیٰ کی

ساری صفات ایک ہی وقت میں اپنے دائرہ کے اندر کام کر رہی ہوتی ہیں۔

(۹) نواں غلط عقیدہ خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ پھیل رہا تھا کہ کچھ لوگ خیال کر رہے تھے کہ سب کچھ خدا ہی خدا ہے۔ آپ کے بتائے ہوئے اصل سے اس عقیدہ کا بھی ردّ ہو گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت مالکیت بھی ہے اور جب تک اور مخلوق نہ ہو' خدا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدہ کے خلاف کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو یہ کہتے تھے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے ان کا ردّ بھی اس اصل سے ہو گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی دوسری صفات بتا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ محدود نہیں۔ عرش کے متعلق آپ نے فرمایا کہ عرش کرسی وغیرہ کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مادی اشیاء ہیں۔ اور عرش کوئی سونے یا چاندی سے بنا ہوا تخت نہیں ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ کی حکومت کی صفات ہیں اور ان کے ظہور کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ تخت پر بیٹھا ہے۔

(۱۰) ان سب باتوں کے علاوہ ایک اہم کام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق کیا یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف پھیری۔ اور ان میں خدا تعالیٰ کی سچی محبت پیدا کر دی۔ لاکھوں انسانوں کو آپ نے خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دیا اور وہ لوگ جنہوں نے ابھی تک آپ کو نہیں مانا ان کی بھی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف اس رنگ میں ہو رہی ہے جو آپ کے دعویٰ سے پہلے نہ تھی۔

خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق اور بھی بہت سی غلط فہمیاں تھیں جو آپ نے تفصیلاً یا اجمالاً دُور کیں مگر مثال کے طور پر مذکورہ بالا امور کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا چوتھا کام

چوتھا کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ آپ نے کلام الٰہی کی حقیقت کو ظاہر کیا ہے اور اس کے متعلق جو مختلف خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے ان کی اصلاح کی ہے۔

اول الہام

الہام کے متعلق مختلف اور خطرناک خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے۔ (الف) الہام یا آسمانی ہوتا ہے یا شیطانی۔ (ب) پھر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ الہام صرف نبیوں کو ہو سکتا ہے۔ (ج) بعض لوگ سمجھتے تھے کہ الہام لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ دل کی روشنی سے حاصل کردہ علوم کا نام ہی الہام ہے۔ (د) بعض لوگ اس وسوسہ کا شکار ہو رہے تھے کہ الہام اور خواب کیفیت دماغی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ (ھ) بعض لوگ اس خیال میں

مبتلا تھے کہ لفظی الہام کا عقیدہ رکھنا انسان کی ذہنی ترقی کے مانع ہے۔ (و) عام طور پر لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے کہ اب الہام کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ یہ اور اس قسم کے اور وساوس الہام کے متعلق لوگوں میں پائے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب کی اصلاح کی ہے۔

یہ جو خیال تھا کہ الہام صرف آسمانی یا شیطانی ہوتا ہے اس سے کئی خطرناک نتائج پیدا ہو رہے تھے۔ بعض مدعیوں کو جب لوگ راستباز سمجھتے تو ان کی وحی کو بھی آسمانی سمجھ لیتے۔ بعض خوابیں جب لوگوں کی پوری نہ ہوتیں تو وہ الہام اور خواب کی حقیقت سے ہی منکر ہو جاتے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے اس مسئلہ کو حل کر کے دنیا کو بہت سے ابتلاؤں سے بچالیا۔ آپ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ الہام کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

(۱) سچے الہام (۲) جھوٹے الہام

جو سچے الہام ہوتے ہیں۔ یعنی جن میں ایک صحیح واقعہ یا صداقت کی خبر دی ہوئی ہوتی ہے۔ آگے ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ (الف) آسمانی الہام (ب) شیطانی الہام (ج) نفسانی الہام۔ میں نے سچے الہام میں ان دونوں قسموں کو بھی شامل کیا ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے اور قرآن کریم اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ کبھی شیطانی اور نفسانی الہام بھی سچا ہوتا ہے اور جب کوئی ایسا الہام سچا ہو جائے تو گو ہم اقرار کریں گے کہ وہ پورا ہو گیا مگر اسے آسمانی الہام پھر بھی نہیں کہیں گے۔

ان الہامات کی بھی جو آسمانی ہوتے ہیں آپ نے کئی قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) انبیاء کی وحی جو یقینی وحی کہلاتی ہے۔

(۲) دوسری اولیاء کی مصفّٰی وحی یہ وحی بھی غلط نہیں ہوتی لیکن یقینی نہیں کہلاتی کیونکہ وہ اپنے اندر ایسے نشانات نہیں رکھتی جو دنیا پر حُجّت ہوں اور جس کا انکار گناہ ہو۔ وہ بیشک مصفّٰی ہوتی ہے مگر اپنے ساتھ ایسے زبردست ثبوت نہیں رکھتی کہ لوگوں کے لئے اسے حُجّت قرار دیا جائے۔

(۳) تیسری سالکوں کی وحی جسے اصطفائی وحی کہہ سکتے ہیں یعنی وہ ان کو بزرگی دینے کیلئے ہوتی ہے۔ مگر اس قدر صاف نہیں ہوتی جس قدر کہ اولیاء اللہ کی۔

(۴) سالکوں اور مومنوں کی ابتلائی وحی۔ یہ وحی مؤمنوں کے تجربہ، آزمائش اور امتحان

لینے اور ان کی ہمت ظاہر کرنے کیلئے ہوتی ہے۔

(۵) پانچویں **جبیزی وحی**۔ یہ وحی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام سے معلوم ہوتی ہے۔ میں اس الہام کے الفاظ کے مطابق اس کا نام **جبیزی وحی** رکھتا ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح کامل مومن کا مقصد خدا تعالیٰ کے قرب کا حصول ہوتا ہے وہ اس قرب کے حصول کے ذریعہ کی تعیین نہیں کرتا۔ بعض ناقص لوگ اس جدوجہد میں ایک نفسانی خواہش کو بھی ساتھ رکھتے ہیں کہ یہ قرب اس طرح حاصل ہو کہ ہمیں الہام ہو جائے اور الہام کی خواہش بھی قرب کے لئے نہیں بلکہ بڑائی اور درجہ کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کی بڑھی ہوئی خواہش کو دیکھ کر کبھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بھی الہام کر دیتا ہے۔ جس طرح کھانا کھاتے وقت کوئی کتا آجاتا ہے تو اس کے آگے بھی آدمی روٹی کا ٹکڑا یا بوٹی پھینک دیتا ہے۔ اس قسم کا الہام درحقیقت ایک سخت آزمائش ہوتا ہے جو بسا اوقات ٹھوکر کا موجب ہوتا ہے۔ **جبیز** چونکہ سوکھے ٹکڑے کو کہتے ہیں اس لئے اسی مناسبت سے اس وحی کا نام **جبیزی وحی** رکھا گیا ہے۔

(۶) چھٹی قسم وحی کی وہ ہے جو ایسے غیر مومن کو ہوتی ہے جو اپنی فطرت میں سعادت رکھتا ہو۔ اس کا نام میں نے ارشادی وحی رکھا ہے یعنی ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والی۔

(۷) ساتویں قسم وحی کی طفیلی وحی ہے۔ کہ کفار اور بدکاروں کو ارشاد کے طور پر نہیں بلکہ ان پر حجت تمام کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اس کا نام میں نے طفیلی وحی رکھا ہے کیونکہ یہ اس لئے ہوتی ہے کہ انبیاء کی صداقت کے لئے ایک ثبوت ہو۔

یہ سب آسمانی وحی کی قسمیں ہیں۔

(ب) شیطانی الہام۔ جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں بعض شیطانی الہام بھی سچے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ**[11] یعنی آسمانی امور جب دنیا میں ظاہر ہونے لگتے ہیں تو شیطان بھی ان میں سے کچھ اچک کر اپنے ساتھیوں کو پہنچا دیتا ہے۔ اور گو اس کے بطلان کا سامان اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے لیکن ارواحِ خبیثہ سے تعلق رکھنے والوں کی بعض بعض باتیں بھی کبھی سچی نکل آتی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ایسی خوابیں یا نظارے اگر اتفاقاً کبھی سچے بھی نکل آئیں تو ان میں ہیبت اور شوکت نہیں ہوتی اور نامکمل سے اور مبہم سے ہوتے ہیں۔

(ج) نفسانی الہام۔ یعنی ایسے الہام یا خواب جو دماغی کیفیات کے نتیجے میں نظر آئیں۔ یہ الہام یا خواب بھی کبھی سچے ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانی دماغ جاگتے ہوئے کوئی بات قیاس کر کے آئندہ کے متعلق نکال لیتا ہے اور وہ سچی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی سوتے ہوئے بھی ایسے اندازہ لگا کر پیش کر دیتا ہے اور وہ کبھی سچے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے سچے ہو جانے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ایسی خوابیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ (ا) امورِ طبعیہ سے تعلق رکھنے والی۔ مثلاً بیماریوں کے متعلق۔ بیماریاں یکدم نہیں پیدا ہوتیں۔ بلکہ ان کے ظاہر ہونے سے کئی گھنٹے یا کئی دن یا کئی ہفتے پہلے جسم میں تغیّرات شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے تغیّرات کو بعض دفعہ انسانی دماغ محسوس کر کے انسان کی آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے اور وہ بات پوری بھی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک طبعی اندازہ ہوتا ہے۔ بیماریوں کے ایسے تغیّرات مختلف عرصوں میں واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہلکے کتے کا زہر بارہ دن سے دو ماہ تک کہتے ہیں تکمیل تک پہنچتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو ہلکے کتے نے کاٹا ہو۔ اور زہر کے اپنے اثر کو مکمل کرنے کے دوران میں اس کا دماغ اس کی کیفیت کو محسوس کر کے ایک نظارہ کی شکل میں اسے دکھادے۔ پس یہ خواب یا الہام سچا ہوگا۔ مگر نفس انسانی کا ایک فعل ہوگا نہ کہ آسمانی۔

(۲) دوسری قسم اس قسم کی وحی کی عقلی وحی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی امر کو سوچتے سوچتے سو جائے اور اس کا دماغ اس وقت بھی اس کے متعلق غور کرتا رہے (دماغ کا ایک حصہ انسان کی نیند کے وقت بھی کام کرتا رہتا ہے) اور جب وہ کسی نتیجہ پر پہنچے تو ایک نظارہ خواب کی حالت میں نظر آجائے جس میں وہ نتائج جو دماغ کے حصہ متاثرہ نے غور کرنے کے بعد نکالے تھے دکھادیئے گئے ہوں۔ بسا اوقات یہ نتائج دوسرے عقلی نتائج کی طرح صحیح ہوں گے۔ لیکن باوجود ان کے صحیح ہونے کے اس خواب کو آسمانی خواب نہیں کہیں گے بلکہ نفسانی خواب کہیں گے۔ کیونکہ اس کا منبع انسانی دماغ ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا کوئی خاص امر۔

اوپر کی دونوں قسمیں ایک رنگ میں آسمانی بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ قوانین کے ماتحت انسان کی ہدایت اور اس کی راہنمائی کا موجب ہوتی ہیں مگر تقدیر عام کے ماتحت۔ ان کا ظہور کسی خاص حکم کے ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ مگر ایک قسم نفسانی خواہشات کی اور بھی ہے جو خالص نفسانی ہوتی ہے مگر پھر بھی کبھی سچی ہو جاتی ہے اور وہ پراگندہ خواب ہے۔

(۳) یہ قسم دماغ کی پراگندگی کے نتیجہ میں آتی ہے۔ مگر چونکہ مختلف اندازے لگانے

والے کا کوئی اندازہ صحیح بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پراگندہ خیالات میں سے کبھی کوئی اتفاقاً صحیح بھی ہو جاتا ہے مگر اس کی صحت نہ خدا کے حکم سے تعلق رکھتی ہے نہ کسی طبعی قانون سے بلکہ اتفاق پر مبنی ہوتی ہے۔

اب میں جھوٹے الہام کے متعلق بیان کرتا ہوں اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) شیطانی الہام۔ شیطان چونکہ قیاس سے کام لیتا ہے اس لئے اس کا قیاس اکثر اوقات غلط نکلتا ہے۔ پھر وہ جھوٹ بھی بولتا ہے۔

(۲) دوسری قسم نفسانی خواب۔ اس کی آگے پھر کئی قسمیں ہیں۔

(الف) وہ خواب جو دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہو (ب) وہ خواب جو خواہش اور آرزو کے نتیجے میں پیدا ہو جائے۔ جیسے ہمارے ملک میں کہتے ہیں کہ بلی کو چھیچھڑوں کی خوابیں۔ اس خواب میں اور جبیزی خواب میں بظاہر مناسبت ہے مگر ایک فرق بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جبیزی خواب تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ بندہ کی خواہش کو پوری کرنے کے لئے نازل کرتا ہے مگر اس خواب کو خدا تعالیٰ نازل نہیں کرتا بلکہ انسان کی خواہش سے متاثر ہو کر نفس خود پیدا کر لیتا ہے۔

(۲) دوسری غلطی لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ الہام یا وحی صرف نبی کو ہو سکتا ہے یہ خیال نہایت غلط اور امت میں پست خیالی پیدا کرنے کا موجب اور قرب الٰہی کے حقیقی دروازوں کو بند کرنے والا تھا۔ اس کے نتیجہ میں صرف انسانی تدابیر پر خوش ہو جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو جو ایک ہی ذریعہ اس کی خوشنودی کا پتہ لگانے کا ہے بھلا بیٹھے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خیال کی بھی اصلاح کی اور فرمایا کہ الہام ہر شخص کو ہو سکتا ہے۔ ہاں الہام کے بھی درجے ہوتے ہیں۔ نبی کو نبیوں والا الہام ہوتا ہے' مؤمن کو مؤمنوں والا اور کافر کو کافروں والا۔ اس حقیقت کو کھول کر آپ نے یہ فتنہ دور فرما دیا کہ غیر مؤمن کو جب بھی کوئی سچا الہام ہو جائے تو بعض دفعہ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ بھی خدا کا مقرب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسے لوگوں کو سچا الہام ہو جاتا ہے مگر نبیوں اور نیک لوگوں کے الہام اور کفار کے الہام میں یہ فرق ہے کہ نبیوں اور اولیاء کے الہام اپنے ساتھ قدرت رکھتے ہیں۔ اور یہ بات کفار کے الہاموں کو حاصل نہیں ہوتی۔

تیسری غلطی یہ لگی ہوئی تھی کہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ الہام لفظوں میں نہیں ہوتا بلکہ

دل کی روشنی کا نام ہی الہام ہے۔ آپ نے ان لوگوں کے خیال کی بھی اصلاح فرمائی۔ نیچریوں، بہائیوں اور اکثر عیسائیوں کا یہی خیال ہے۔ مسلمان تعلیم یافتہ بھی کثرت سے اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ایسے لوگوں کے سامنے اول اپنا مشاہدہ پیش کیا۔ اور فرمایا۔ میں الہام کے الفاظ سنتا ہوں اس لئے میں اس خیال کی تردید کرتا ہوں کہ الہام الفاظ میں نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ الہام اور خواب انسانی فطرت میں داخل ہے۔ ہر انسان میں یہ خواہش ہے کہ خدا سے ملے۔ اور اس فطرت کی خواہش کا جواب بھی ضرور ہونا چاہئے۔ خالی دل کا خیال اس جوش محبت کا جواب نہیں ہو سکتا جو انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی ملاقات کے متعلق رکھا گیا ہے۔ اس کا جواب صرف الہام اور خواب ہی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ خواب اور الہام صرف نبیوں سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ دنیا کے اکثر افراد اس سے کم و بیش حصہ پاتے ہیں۔ حتّٰی کہ جو بدکار سے بدکار وجود ہیں اور جن کا پیشہ ہی بدکاری ہوتا ہے وہ بھی اس سے کبھی حصہ پا لیتے ہیں۔ پس اس چیز کا انکار کس طرح ہو سکتا ہے جس پر اکثر انسان شاہد ہیں اور جو چیز تھوڑی یا بہت دنیا کے اکثر افراد کو مل جاتی ہے اس کی نسبت کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ باقی دنیا کو تو اس میں حصہ ملتا ہے مگر نبیوں کو ہی اس سے حصہ نہیں مل سکتا۔ حالانکہ اس چیز کی پیدائش کی غرض ہی نبوت کی تکمیل ہے جب لاکھوں کافر بھی گواہی دیتے ہیں کہ ان کو الہام ہوتے ہیں یا خوابیں آتی ہیں تو الہام یا خواب کا ہونا ناممکن نہ ہوا۔ اور جب ناممکن نہ ہوا تو نبیوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کو الہام نہیں ہوتا بلکہ دل کے خیالات کا نام وہ الہام رکھ لیتے تھے حد درجہ کی نادانی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ الہام ایسی زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جو ملہم نہیں جانتا۔ اگر الہام محض خیال ہی ہوتا تو اسی زبان میں ہوتا جسے ملہم جانتا ہے، اس زبان میں نہ ہوتا جسے وہ نہیں جانتا۔ لیکن ملہموں کو بعض اوقات ان زبانوں میں بھی الہام ہوتے ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے۔ پس معلوم ہوا کہ الہام الفاظ میں ہی ہوتا ہے نہ کہ خیالات کا نام الہام ہے۔

لفظی الہام پر عام طور پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا خدا کی بھی زبان ہے اور ہونٹ ہیں کہ وہ الفاظ میں کلام کرتا ہے؟ اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بولنے کے لئے زبان کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ہے۔ جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دنیا بغیر ہاتھوں کے پیدا کی ہے، انکے لئے اس بات کا

ماننا کیا مشکل ہے کہ وہ بغیر زبان کے بولنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

ایک جواب آپ نے یہ بھی دیا کہ بغیر الہام کے جو پرشوکت الفاظ میں ہو' اس بات کا یقین نہیں آسکتا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو کوئی حکم دیا گیا ہے۔ جب باہر سے آئے تب ہی پتہ لگ سکتا ہے کہ کسی اور طاقت نے یہ الفاظ بھیجے ہیں۔

(۴) چوتھی غلطی بعض لوگوں کو الہام کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ الہام کیفیت دماغی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بے شک ایسا بھی ہوتا ہے مگر یہ کہنا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی باہر سے الہام نہیں ہوتا۔ غلط ہے۔ کیونکہ نبیوں اور مؤمنوں کے بعض الہام ایسے علوم پر مشتمل ہوتے ہیں جنہیں انسانی دماغ دریافت نہیں کر سکتا۔ مثلاً ان میں آئندہ زمانہ کے متعلق بڑی بڑی خبریں ہوتی ہیں۔ دوسرا جواب اس کا آپ نے یہ دیا کہ اگر کیفیت دماغی سے یہ مراد ہے کہ الہام بگڑے ہوئے دماغ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ الہام پانے والے لوگ بہترین دماغ رکھتے ہیں ان کے دماغوں کا بہترین ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ الہام بگڑے ہوئے دماغ کا نتیجہ نہیں ہوتا۔

مجھے تعجب ہے کہ جو لوگ الہام کو دماغی بگاڑ کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ انسانی دماغ بڑھاپے میں کمزور ہو جاتا ہے۔ لیکن نبیوں پر بڑھاپے کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے الہامات میں زیادہ شوکت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

(۵) پانچواں شبہ الہام کے متعلق یہ کیا جاتا ہے کہ الہام کا وجود انسان کی ذہنی اور عقلی ترقی کے مخالف ہے۔ کیونکہ جب الہام سے ایک امر دریافت ہو گیا تو پھر لوگوں کو سوچنے اور غور کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کیا موقع ہے؟

اس غلطی کو آپ نے لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف پھیر کر دُور کیا کہ الہام ذہنی ترقی کے مخالف نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے اسے ذہنی ترقی کی خاطر پیدا کیا ہے۔ کارخانہ عالم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی اور جسمانی دو سلسلے اس دنیا میں متوازی اور مشابہ چل رہے ہیں۔ جسمانی سلسلہ میں انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لئے عقل کے ساتھ تجربہ کو لگایا گیا ہے تاکہ عقل کی کمزوری کو پورا کر دے اور انسان غلطی کے احتمال سے بچ جائے۔ روحانی سلسلہ میں اس کی جگہ الہام کو عقل کے ساتھ لگایا گیا ہے تاکہ عقل غلطی کر کے انسان کو تباہی کے گڑھے میں نہ گرا دے۔ خالی عقل جب جسمانی امور میں کافی نہیں ہو سکتی اور تجربہ کی

مدد کی محتاج ہے تو پھر روحانی دنیا میں خالی عقل پر بھروسہ کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی سلسلہ کے لئے جو ادنیٰ تھا عقل کی خامیوں کو دُور کرنے کیلئے تجربہ کو پیدا کیا اور روحانی سلسلہ میں جو اعلیٰ ہے عقل کی مدد کے لئے کوئی وجود نہ پیدا کیا؟

اگر کوئی کہے کہ جسمانی سلسلہ کی طرح روحانی سلسلہ میں بھی عقل کی امداد کے لئے تجربہ کو ہی کیوں نہ مقرر کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجربہ کئی ٹھوکروں کے بعد اصل نتیجہ پر پہنچاتا ہے۔ دنیا کی زندگی چونکہ عارضی ہے اس لئے اس میں تجربہ کرتے ہوئے ٹھوکریں کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر آئندہ کی زندگی کے متعلق جو ہمیشہ کی زندگی ہے ٹھوکریں کھانے کے لئے انسان کو چھوڑ دیا جاتا تو لاکھوں آدمی جو تجربہ سے پہلے پہلے مرجاتے حق سے محروم رہ جاتے اور سخت نقصان اٹھاتے اور اس دائمی زندگی کی ترقیات کو حاصل نہ کرسکتے۔ جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تجربہ شروع کرنے کیلئے بھی پہلے ایک بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی امور چونکہ غیر محسوس ہیں اور مخفی ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق تجربہ مادی امور کی نسبت زیادہ مشکلات رکھتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کہ مادہ کے متعلق سائنس نے انتہا درجہ کی ترقی کی ہے۔ دماغ کے ان افعال کے متعلق جو عقل اور ارادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ روح کے برابر لطیف نہیں بہت ہی کم تحقیق ہوئی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دنیا کی پیدائش پر اس قدر عرصہ گذر جانے کے باوجود اب تک تحقیق شروع ہی نہیں ہوئی۔

(۶) چھٹا وسوسہ جس میں لوگ مبتلا تھے۔ یہ تھا کہ الہام کا سلسلہ اب بالکل بند ہو چکا ہے۔ یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہی نہ تھا بلکہ دوسرے مذاہب کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ یہودی' مسیحی' ہندو سب پہلے زمانہ میں الہام کے قائل ہیں لیکن اب اس کے دروازہ کو بند بتاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خطرناک عقیدہ کی غلطی کو بھی دنیا پر ظاہر کیا اور بتایا کہ الہام تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک انعام ہے اور بندہ اور خدا تعالیٰ میں محبت کا نہ ٹوٹنے والا تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور یقین اور وثوق تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اس کا سلسلہ بند کر کے مذہب اور روحانیت کا باقی کیا رہ جاتا ہے۔ مسلمانوں کو آپ نے توجہ دلائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس لئے مبعوث ہوئے تھے کہ دنیا پر خدا تعالیٰ کی رحمت کی

بارش اور بھی شان سے نازل ہو۔ پس آپ کے آنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا یہ انعام بند نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں اور بھی زیادہ ترقی ہو گئی۔

دوسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ الہام صرف شریعت نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی اغراض ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بندوں کو خدا تعالیٰ پر یقین کامل کرائے۔ دیکھو جس سے خدا تعالیٰ باتیں کرے' اس کے مقابلہ میں وہ شخص جو صرف یہ کہے کہ خدا ہے ایمانی لحاظ سے کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔ پس رسول کریم ﷺ گو شریعت کو مکمل کر گئے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو یقین اور اطمینانِ قلب کے مرتبہ تک پہنچانے کیلئے پھر بھی الہام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

تیسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ خدا تعالیٰ الہام کے ذریعہ معارف پر آگاہ کرتا ہے وہ روحانی علوم جو سینکڑوں سالوں کی محنت اور کوشش سے بھی معلوم نہ ہو سکیں' خدا تعالیٰ الہام کے ذریعہ ایک سیکنڈ میں بتا دیتا ہے۔ پس اس تعلیم کے سہل تر رستہ کو امت محمدیہؐ کے لئے کس طرح بند کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے وجود سے ثابت کیا کہ الہام جس قدر جلد اور جس قدر مکمل طور پر معارف روحانیہ کو کھولتا ہے اس کی مثال انسانی جدوجہد میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ جو باتیں علماء تیرہ سو سال کے قریب عرصہ میں بحثوں سے حاصل نہ کر سکے' آپ نے چند سال میں الہام کی مدد سے حل کر کے رکھ دیں۔ اور ان کی مدد سے احمدی علماء دنیا بھر کے مذاہب پر اسلام کو غالب کر رہے ہیں۔

چوتھا جواب آپ نے یہ دیا کہ الہام کی ایک غرض اظہار محبت بھی ہے جب تک خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر الہام نہ نازل کرے' اس وقت تک کس طرح ان کی تڑپ دور ہو سکتی ہے۔

غرض آپ نے ثابت کر دیا کہ الہام کا سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ اگر الہام کو بند مانیں تو خدا تعالیٰ کی کئی صفات میں تعطّل ماننا پڑے گا۔ اس جگہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خدا کی صفات میں عارضی تعطّل تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی مانا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں خدا تعالیٰ اپنی ایک صفت کو بند کر دیتا ہے تا کہ دوسری صفت جاری ہو۔ اگر اس طرح ہو سکتا ہے تو یہ ماننے میں کیا حرج ہے کہ الہام کو خدا نے قیامت تک بند کر دیا؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعطّل تب مانا ہے جب دو صفات آپس میں ٹکرائیں۔ اور جو صفات نہ ٹکرائیں ان کے متعلق تعطّل نہیں

مانا۔ چونکہ الہام کے جاری ہونے میں کسی صفت سے ٹکراؤ نہیں اس لئے اس کے متعلق تعطّل ماننا ناواجب ہے۔

اگر کوئی کہے کہ الہام کا سلسلہ جاری مانا جائے تو بھی تعطّل ہوتا ہے کیونکہ ایک مجدد آتا ہے۔ پھر اس کے ایک سو سال بعد دوسرا آتا ہے اس طرح کچھ عرصہ کیلئے الہام میں تعطل تم بھی مانتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک اس قسم کا کوئی تعطّل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ الہام صرف نبی یا مجدد کو ہوتا ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ الہام مؤمنوں کو بھی ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ کافروں اور بدکاروں کو بھی۔ پس چونکہ زمین گول ہے اور ہر وقت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ پس بالکل قرین قیاس ہے کہ ہر سیکنڈ میں سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کو الہام ہو رہا ہوتا ہے اور ایک سیکنڈ بھی نزول الہام میں تعطل نہیں ہوتا۔ میں ذاتی طور پر اس شخص کو انعام دینے کو تیار ہوں جو یہ ثابت کردے کہ کوئی ایک دن بھی ایسا گذرا ہو جس میں کسی کو خواب نہ آئی ہو یا الہام نہ ہوا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تب بے شک تعطّل کو تسلیم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

آپ نے آیاتِ قرآنیہ سے بھی ثابت کیا ہے کہ الہام کے جاری رہنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو جھوٹا نہیں کیا کرتا۔

اگر کوئی کہے خواب تو ہر ایک انسان دیکھ سکتا ہے اس کی بحث نہیں بحث الہام کے متعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل سوال یہ ہے کہ اب بھی لوگوں کی ہدایت کیلئے خدا تعالیٰ کوئی سامان پیدا کرتا ہے یا نہیں۔ اگر کرتا ہے تو یہ کہنا بیہودہ بات ہے کہ وہ آنکھوں کے ذریعہ سے لکھے ہوئے لفظوں یا تصویری زبان میں تو اپنے منشاء کو ظاہر کر سکتا ہے مگر کانوں کے ذریعہ سے آواز پیدا کر کے جسے الہام کہتے ہیں اپنے منشاء کو ظاہر نہیں کرتا۔ جب کہ اپنے آقا کی مرضی کو معلوم کرنا ایک فطری تقاضا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اسے پورا نہ کرے اور الہام کا دروازہ بند کرنا ایک سخت ظلم ہے جو خدا تعالیٰ سے بعید ہے۔

قرآن کریم کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

کلام الٰہی میں سے خاص طور پر قرآن کریم کے متعلق بہت سی غلطیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی دور کیا ہے مثلاً (۱) ایک غلطی

بعض مسلمانوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس میں تبدیلی ہو گئی ہے اور بعض حصے اس کے چھپنے سے رہ گئے ہیں۔ اس خیال کی بھی آپ نے تردید فرمائی اور بتایا کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے۔ انسان کی جتنی ضرورتیں مذہب سے تعلق رکھنے والی ہیں وہ سب اس میں بیان کر دی گئی ہیں اگر اس کے بعض پارے یا حصے غائب ہو گئے ہوتے تو اس کی تعلیم میں ضرور کوئی کمی ہونی چاہئے تھی۔ اور ترتیب مضمون خراب ہو جانی چاہئے تھی۔ مگر نہ اس کی تعلیم میں کوئی نقص ہے اور نہ ترتیب میں خرابی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا کوئی حصہ غائب نہیں ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ قرآن نے دعویٰ کیا اور چیلنج دیا ہے کہ اس میں ساری اخلاقی اور روحانی ضروریات موجود ہیں۔ لیکن اگر اس کا کوئی حصہ غائب ہوا ہوتا تو ضرور تھا کہ بعض ضروری اخلاقی یا روحانی امور کے متعلق اس میں کوئی ارشاد نہ ملتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس میں ہر ضرورتِ روحانی کا علاج موجود ہے۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کے ایک حصہ کے غائب ہو جانے کے باوجود اس کے مطالب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ تو پھر تو جن لوگوں نے اس میں کمی کی ہے وہ حق بجانب تھے کہ انہوں نے ایسے لغو حصہ کو نکال دیا جس کی موجودگی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ قرآن کریم کے حُسن میں کمی کر رہی تھی۔ اگر وہ موجود رہتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ اس حصہ کا کیا فائدہ ہے اور اسے قرآن کریم میں کیوں رکھا گیا ہے۔ مجھے اس عقیدہ پر ایک واقعہ یاد آگیا۔ میں چھوٹا سا تھا کہ ایک دن آدھی رات کے وقت کچھ شور ہوا۔ اور لوگ جاگ پڑے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جا کر دیکھو کیا بات ہے۔ وہ ہنستا ہوا واپس آیا اور بتایا کہ ایک دائی بچہ جنا کر واپس آ رہی تھی کہ نانک فقیر اسے مل گیا۔ اور اس نے اس کو مارنا شروع کر دیا۔ اس نے چیخنا چلّانا شروع کیا اور لوگ جمع ہو گئے۔ جب انہوں نے نانک سے پوچھا کہ تو اسے کیوں مار رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ میرے سرین کاٹ کر لے آئی ہے اس لئے اسے مار رہا ہوں۔ لوگوں نے اسے کہا کہ تیرے سرین تو سلامت ہیں انہیں تو کسی نے نہیں کاٹا۔ تو حیران ہو کر کہنے لگا۔ اچھا۔ اور دائی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قرآن کریم میں تغیّر کے قائل ہیں۔ وہ غور نہیں کرتے کہ قرآن کریم آج بھی ایک مکمل کتاب ہے اگر اس کا کوئی حصہ غائب ہو گیا ہوتا تو اس کے کمال میں نقص آ جاتا۔

غرض قرآن کریم کے مکمل ہونے کا ثبوت خود قرآن کریم ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ یا اور کوئی صحابی اس کی ایک آیت بھی نکال دیتے تو اس میں کمی واقع ہو جاتی۔ لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس بیان کے کہ اس سے دس پارے کم کر دیئے گئے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس صورت میں تو بڑے بڑے اہم مسائل ایسے ہونے چاہئیں تھے جن کے متعلق قرآن کریم میں کچھ ذکر نہ ہوتا۔ مگر قرآن کریم میں دین اور روحانیت سے تعلق رکھنے والی سب باتیں موجود ہیں۔

(۲) دوسرا خیال مسلمانوں میں یہ پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن کا ایک حصہ منسوخ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جواب نہایت لطیف پیرایہ میں دیا۔ اور وہ اس طرح کہ جن آیات کو لوگ منسوخ قرار دیتے تھے۔ ان میں سے ایسے ایسے معارف بیان فرمائے جن کو سن کر دشمن بھی حیران ہو گئے اور آپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ایک آیت بھی قرآن کریم کی ایسی نہیں جس کی ضرورت ثابت نہ کی جا سکے۔ اور اب وہی غیر احمدی جو بعض آیات کو منسوخ کہتے تھے دشمنان اسلام کے سامنے انہیں آیات کو پیش کر کے اسلام کی برتری ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً **لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ** [۱۲] کی آیت جسے منسوخ کہا جاتا تھا۔ اب اسی کو مخالفین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

(۳) تیسری غلطی قرآن کریم کے متعلق لوگوں کو یہ لگ رہی تھی کہ اکثر حصہ مسلمانوں کا یہ خیال کرتا تھا کہ اس کے معارف کا سلسلہ پچھلے زمانہ میں ختم ہو گیا ہے اس وہم کا ازالہ بھی آپ نے کیا۔ اور اس کے خلاف بڑے زور سے آواز اٹھائی اور ثابت کیا کہ نہ صرف یہ کہ پچھلے زمانہ میں اس کے معارف ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ آج بھی ختم نہیں ہوئے۔ اور آئندہ بھی ختم نہ ہونگے۔ آپ فرماتے ہیں۔

> "جس طرح صحیفۂ فطرت کے عجائب و غرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہی حال ان صُحفِ مطہّرہ کا ہے تا خدائے تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو۔" [۱۳]

چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں جو اس زمانہ کے متعلق تھیں اور جنہیں پہلے زمانہ کے لوگ نہیں سمجھتے تھے آپ نے قرآن کریم سے نکال کر سمجھائیں۔ مثلاً **اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** [۱۴] کی پیشگوئی تھی۔ اس کے معنے پہلے لوگ یہی کرتے تھے کہ قیامت کے دن لوگ اونٹوں پر سوار

نہ ہوں گے۔ مگر قیامت کو اونٹنی کیا کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ یہ کلام پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ اور اس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وہ حالات نہ تھے جو اس کے صحیح معنے کرنے میں ممد ہوتے اس لئے انہوں نے اسے قیامت پر چسپاں کر دیا۔ اصل میں یہ آخری زمانہ کے متعلق خبر تھی کہ اس وقت ایسی سواریاں نکل آئیں گی کہ اونٹ بے کار ہو جائیں گے۔ وہ مولوی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ایک بات کی مخالفت کرتے ہیں ان کو بھی اگر موٹر کے مقابلہ میں اونٹ کی سواری ملے تو کبھی اس پر سوار نہ ہوں۔ اسی طرح مثلاً وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ [۵] کی پیشگوئی ہے یعنی وحوش جمع کر دیئے جائیں گے یعنی چڑیا گھر بنائے جائیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اسی طرح اس کا یہ بھی مطلب تھا کہ پہلے زمانہ میں قوموں کو ایک دوسرے سے وحشت تھی۔ آپس میں تنفّر تھا۔ اب ایسا وقت آیا کہ ایک دوسرے سے تار اور ریل اور جہازوں کے ذریعہ ملنے لگ گئے ہیں۔

اسی طرح یہ پیشگوئی تھی کہ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ [۶] کہ دریا خشک ہو جائیں گے اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ قیامت کے دن زلزلے آئیں گے اس وجہ سے دریا سوکھ جائیں گے حالانکہ قیامت کے دن تو دنیا نے ہی تباہ ہو جانا تھا دریاؤں کے سوکھنے کا کیا ذکر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا مطلب بتایا کہ دریاؤں کے سوکھنے سے مراد یہ تھی کہ ان میں سے نہریں نکالی جائیں گی۔

اسی طرح یہ پیشگوئی تھی کہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ [۷] کہ مختلف لوگوں کو آپس میں ملا دیا جائے گا۔ اس کے یہ معنی کئے جاتے تھے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو جمع کر دیا جائے گا۔ مرد و عورت اکٹھے ہو جائیں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن تو اس زمین نے تباہ ہو جانا تھا۔ اس میں لوگوں کے اکٹھے ہونے کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح یہ فرمائی کہ ایسے سامان اور ذرائع نکلنے کی اس آیت میں پیشگوئی کی گئی تھی جن کے ذریعہ سے یہاں بیٹھا ہوا شخص دور دراز کے لوگوں سے باتیں کر سکے گا۔ اب دیکھ لو۔ ایسا ہی ہو رہا ہے یا نہیں۔

اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت کیا کہ ان میں صحیح علوم طبعیہ کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا [۸] کی آیت میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ چاند اپنی ذات میں روشن نہیں بلکہ سورج سے روشنی لیتا ہے۔

غرض آپ نے بیسیوں آیات سے بتایا کہ قرآن کریم میں مختلف علوم کی طرف اشارہ ہے جنہیں ایک ہی زمانہ کے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ اپنے اپنے وقت پر ان کی پوری سمجھ آ سکتی ہے۔

اسی طرح زمانہ جوں جوں ترقی کرتا جائے گا قرآن کریم میں سے نئے علوم نکلتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ آج آپ کے بتائے ہوئے ان اصول کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم کا ایسا علم دیا ہے کہ کوئی اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔

دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کتنا بڑا تغیر کر دیا۔ آپ سے پہلے مولوی یہی کہا کرتے تھے کہ فلاں بات فلاں تفسیر میں لکھی ہے اور اگر کوئی نئی بات پیش کرتا تو کہتے بتاؤ یہ کس تفسیر میں لکھی ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جو خدا ان تفسیروں کے مصنفوں کو قرآن سکھا سکتا ہے، وہ ہمیں کیوں نہیں سکھا سکتا۔ اور اس طرح ایک کنویں کے مینڈک کی حیثیت سے نکال کر آپ نے ہمیں سمندر کا تیراک بنا دیا۔

(۴) چوتھی غلطی لوگوں کو یہ لگ رہی تھی کہ قرآن کریم کے مضامین میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے وہ یہ نہ مانتے تھے کہ آیت کے ساتھ آیت اور لفظ کے ساتھ لفظ کا جوڑ ہے۔ بلکہ وہ بسا اوقات تقدیم و تاخیر کے نام سے قرآن کریم کی ترتیب کو بدل دیتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خطرناک نقص کا بھی ازالہ کیا اور بتایا کہ تقدیم و تاخیر بیشک جائز ہوتی ہے۔ مگر کوئی یہ بتائے کہ کیا صحیح ترتیب سے وہ افضل ہو سکتی ہے۔ اگر ترتیب تقدیم و تاخیر سے اعلیٰ ہوتی ہے تو قرآن کی طرف ادنیٰ بات کیوں منسوب کرتے ہو؟

آپ نے آریوں کے مقابلہ میں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم میں نہ صرف معنوی بلکہ ظاہری ترتیب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے حتیٰ کہ ناموں کو بھی زمانہ کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مضمون کی ترتیب کی وجہ سے انہیں آگے پیچھے کرنا پڑا ہو۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ معنوی ترتیب زبانی ترتیب پر مقدم ہوتی ہے۔

(۵) پانچویں غلطی مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی مطالب قرآن کریم کے متعلق یہ پیدا ہو گئی تھی کہ قرآن کریم میں تکرار مضامین ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم میں ہرگز تکرار مضامین نہیں ہے۔ بلکہ ہر لفظ جو آتا ہے وہ نیا مضمون اور نئی خوبی لے کر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم

کی آیتوں کو پھول سے تشبیہ دی ہے۔ اب دیکھو کہ پھول میں بظاہر ہر نیا دائرہ پتیوں کا تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ہر دائرہ پھول کے حسن کی زنجیر کو کامل کر رہا ہوتا ہے کیا پھول کی پتیوں کے ایک دائرہ کو اگر توڑ دیا جائے تو پھول کامل پھول رہے گا؟ نہیں۔ یہی بات قرآن کریم میں ہے۔ جس طرح پھول میں ہر پتی نئی خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ پتیوں کی ایک زنجیر کے بعد دوسری بناتا ہے اور تب ہی ختم کرتا ہے۔ جب حسن پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہر دفعہ کا مضمون ایک نئے مطلب اور نئی غرض کے لئے آتا ہے۔ اور سارا قرآن کریم مل کر ایک کامل وجود بنتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ قرآن کریم کی آیتیں ایک دوسری سے الگ الگ ہیں یہ غلط ہے قرآن کریم کی آیتوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جسم کے ذرات۔ اور سورتوں کی مثال ایسی ہے جیسے جسم کے اجزاء مثلاً انسان کے ۳۲ دانت ہوتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دانتوں کو ۳۲ دفعہ دہرایا گیا ہے۔ اس لئے ۳۱ دانت توڑ ڈالنے چاہئیں۔ اور صرف ایک رہنے دینا چاہئے۔ یا انسان کے دو کان ہیں۔ کیا کوئی ایک کان اس لئے کاٹ دے گا کہ دوسرا کان کیوں بنایا گیا ہے یا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انسان کی بارہ پسلیاں نہیں ہونی چاہئیں' گیارہ توڑ دینی چاہئیں۔ اگر کسی کی ایک پسلی بھی توڑ دے گا تو وہ ضرب شدید کا دعویٰ کر دے گا۔ اسی طرح انسان کے جسم پر لاکھوں بال ہیں۔ کیا کوئی سارے بال منڈوا کر ایک رکھ لے گا کہ تکرار نہ ہو۔ ذرا جسم سے تکرار دور کر دو اور پھر دیکھو کیا باقی رہ جاتا ہے؟

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے مطالب بیان کر کے تکرار کا اعتراض کرنے والوں کو ایسا جواب دیا ہے کہ گویا ان کے دانت توڑ دیئے ہیں۔

(٦) چھٹی غلطی قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کو یہ لگ رہی تھی کہ قرآن کریم میں عبرت کے لئے پرانے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شبہ کا بھی ازالہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم میں عبرت کے لئے قصے نہیں بیان کئے گئے گو قصص قرآنیہ سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اصل میں وہ امتِ محمدیہؐ کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔ اور جو کچھ ان واقعات میں بیان کیا گیا ہے' وہ بعینہٖ آئندہ ہونے والا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مسلسل قصہ نہیں بیان کرتا بلکہ منتخب ٹکڑہ کا ذکر کرتا ہے۔

یہ امر ایسا بدیہی ہے کہ قرآن کریم کے قصص کی جزئیات تک پوری ہوتی رہی ہیں۔ اور

آئندہ پوری ہوں گی حتی کہ نملہ کا ایک واقعہ قرآن کریم میں آتا ہے اس کے متعلق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید کے وقت ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس وقت بھی نملہ قوم کی حکمران ایک عورت تھی جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں تھی۔ اس نے ہارون الرشید کے آگے ایک سونے کی تھیلی پیش کی۔ اور کہا کہ ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی ایک عورت نے ہی تحائف پیش کئے تھے۔ اب میں بھی عورت ہوں جو یہ پیش کر رہی ہوں اور اس طرح آپ کو سلیمانؑ سے مشابہت حاصل ہو گئی ہے۔ ہارون الرشید نے بھی اس پر فخر کیا کہ اسے حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دی گئی۔

(۷) ساتواں شبہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن کریم میں تاریخ کے خلاف باتیں ہیں۔ یہ شُبہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا اور غیر مسلموں میں بھی۔ سرسید احمد جیسے لائق شخص نے بھی اس اعتراض سے گھبرا کر یہ جواب پیش کیا کہ قرآن کریم میں خطابیات سے کام لیا گیا ہے۔ یعنی ایسے واقعات کو یا عقائد کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جو گو صحیح نہیں مگر مخاطب ان کی صحت کا قائل ہے اس لئے اس کے سمجھانے کے لئے انہیں صحیح فرض کر کے پیش کر دیا گیا ہے۔

لیکن یہ جواب درحقیقت حالات کو اور بھی خطرناک کر دیتا ہے۔ کیونکہ سوال ہو سکتا ہے کہ کس ذریعہ سے ہمیں معلوم ہو کہ قرآن کریم میں کونسی بات خطابی طور پر پیش کی گئی ہے اور کونسی سچائی کے طور پر۔ اس دلیل کے ماتحت تو کوئی شخص سارے قرآن کو ہی خطابیات کی قسم کا قرار دیدے تو اس کی بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور دنیا کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ خطابی دلیل کے لئے ضروری ہے کہ خود مصنف ہی بتائے کہ وہ خطابی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں خطابیات کے اصول کو اختیار نہیں کیا بلکہ اسے رد کیا ہے۔ اور یہ اصل پیش کیا ہے کہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس عَالِمُ الْغَیْب کی طرف سے جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یقیناً درست ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسری تاریخوں کا جو اپنی کمزوری پر آپ شاہد ہیں پیش کرنا بالکل خلافِ عقل ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم جو کچھ بیان کرتا ہے اس کے معنی خود قرآن کریم کے اصول کے مطابق کئے جائیں۔ اسے ایک قصوں کی کتاب نہ بنایا جائے اور اس کی پُر حکمت تعلیم کو سطحی بیانات کا مجموعہ نہ سمجھ لیا جائے۔

(۸) آٹھویں غلطی جس میں لوگ مبتلا ہو رہے تھے یہ تھی کہ قرآن کریم بعض ایسے

چھوٹے چھوٹے امور کو بیان کر دیتا ہے جن کا بیان کرنا علم و عرفان اور ارتقائے ذہنِ انسانی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بھی غلط ثابت کیا اور بتایا کہ قرآن کریم میں کوئی فضول امر بیان نہیں ہوا۔ بلکہ جس قدر مطالب یا واقعات بیان کئے گئے ہیں نہایت اہم ہیں۔ میں مثال کے طور پر حضرت سلیمانؑ کے ایک واقعہ کو لیتا ہوں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک محل ایسا تیار کرایا جس کا فرش شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ سبا جب ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے اس میں داخل ہونے کو کہا لیکن ملکہ نے سمجھا کہ اس میں پانی ہے اور وہ ڈری۔ مگر حضرت سلیمانؑ نے بتایا کہ ڈرو نہیں یہ پانی نہیں بلکہ شیشہ کے نیچے پانی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ [۱۹]

یعنی سبا کی ملکہ کو حضرت سلیمان کی طرف سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا۔ جب وہ داخل ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ فرش کی بجائے گہرا پانی ہے اس پر اس نے اپنی پنڈلیوں کو ننگا کر لیا یا یہ کہ وہ گھبرا گئی۔ تب حضرت سلیمان نے اسے کہا کہ تمہیں غلطی لگی ہے یہ پانی نہیں۔ پانی نیچے ہے اور اوپر شیشہ کا فرش ہے۔ تب اس نے کہا۔ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور اب میں سلیمان کے ساتھ سب جہانوں کے رب اللہ پر ایمان لاتی ہوں۔

مفسرین ان آیات کے عجیب و غریب معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت سلیمانؑ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر جنّوں نے انہیں خبر دی تھی کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی پنڈلیاں دیکھنے کیلئے اس طرح کا محل بنوایا۔ مگر جب اس نے پاجامہ اُٹھایا تو معلوم ہوا اس کی پنڈلیوں پر بال نہیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں پنڈلیوں کے بال دیکھنے کیلئے حضرت سلیمانؑ نے اس قدر انتظام کیا کرنا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اس ملکہ کا تخت منگایا تھا۔ اس پر انہوں نے خیال کیا کہ میری ہتک ہوئی ہے کہ میں نے اس سے تخت مانگا۔ اس ہتک کو دور کرنے کیلئے آپ نے ایسا قلعہ بنوایا تاکہ وہ اپنی وقعت قائم کر سکیں۔

مگر کیا کوئی سمجھدار کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں ایسی اہم ہیں کہ خدا کے کلام اور خصوصاً آخری شریعت کے کامل کلام میں ان باتوں کا ذکر کیا جائے جن کا نہ دین سے تعلق ہے نہ عرفان سے۔ اور کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبی ایسے امور میں جن کو یہاں بیان کیا گیا ہے مشغول ہو سکتے ہیں۔؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی تشریح فرمائی ہے کہ اس نے حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے اور صاف طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ بیان ہوا ہے ایمان و عرفان کی ترقی کیلئے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سبا ایک مُشرکہ عورت تھی اور سورج پرست تھی۔ حضرت سلیمانؑ اسے سبق دینا چاہتے تھے اور شرک چھڑانا چاہتے تھے۔ پس آپ نے لفظوں میں دلیل دینے کے ساتھ ساتھ یہ طریق بھی پسند کیا کہ عملاً اس کے عقیدہ کی غلطی اس پر ظاہر کریں۔ اور اس کی ملاقات کے لئے ایک ایسے قلعہ کو تجویز کیا جس میں شیشہ کا فرش تھا اور نیچے پانی بہتا تھا۔ جب ملکہ اس فرش پر سے چلنے لگی تو اسے پانی کی ایک جھلک نظر آئی۔ جسے دیکھ کر اس نے اپنا لباس اونچا کر لیا۔ یا یہ کہ وہ گھبرا گئی (کشفِ ساق کے دونوں ہی معنی ہیں) اس پر حضرت سلیمانؑ نے اسے تسلی دی اور کہا کہ جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو اصل میں شیشہ کا فرش ہے جس کے نیچے پانی ہے۔ چونکہ پہلے دلائل سے شرک کی غلطی اس پر ثابت کر چکے تھے اس نے فوراً سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر شرک کی حقیقت کھول دی ہے اور وہ اس طرح کہ جس طرح پانی کی جھلک شیشہ میں سے تجھے نظر آئی ہے اور تو نے اسے پانی سمجھ لیا ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرامِ فلکی میں سے جھلکا ہے اور لوگ انہیں خدا ہی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے نور حاصل کر رہے ہوتے ہیں چنانچہ اس دلیل سے وہ فوراً متاثر ہوئی اور بے تحاشا کہہ اٹھی کہ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے۔ یعنی سورج وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں اور اصل فیض رسان وہی ایک ہے۔

اب دیکھو یہ کیسا اہم اور فلسفیانہ مضمون ہے اور اس پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ بالوں والی پنڈلیاں دیکھنے کے لئے محل بنایا گیا تھا۔ کیا جن عورتوں کی پنڈلیوں پر بال ہوں ان کی شادی نہیں ہوتی؟ اور نبی ایسے حالات میں مبتلا ہو سکتا ہے؟ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے مضامین کی اہمیت کو قائم کیا اور اس کی طرف

جو بے حقیقت امور منسوب کئے جاتے تھے ان سے اسے پاک قرار دیا۔

(۹) نویں غلطی یہ لگ رہی تھی کہ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کے بہت سے دعوے بے دلیل ہیں، انہیں دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان کہتے قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لئے اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ کہتے۔ یہ بیہودہ باتیں ہیں انہیں ہم کس طرح مان سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ قرآن کریم کا ہر ایک دعویٰ دلائل قاطع اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور قرآن اپنے ہر دعویٰ کی دلیل خود دیتا ہے۔ اور فرمایا یہی بات قرآن کریم کو دوسری الہامی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ تم کہتے ہو قرآن کی باتیں بے دلیل ہیں۔ مگر قرآن میں یہی خصوصیت نہیں کہ اس کی باتیں دلائل سے ثابت ہو سکتی ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی باتوں کے دلائل خود دیتا ہے۔ وہ کتاب کامل ہی کیا ہو گی جو ہمارے دلائل کی محتاج ہو۔ بات خدا بیان کرے اور دلائل ہم ڈھونڈیں۔ یہ تو ایسی ہی مثال ہوئی جیسے راجوں مہاراجوں کے درباروں میں ہوتا ہے کہ جب راجہ صاحب کوئی بات کرتے ہیں تو ان کے مصاحب ہاں جی ہاں جی کہہ کر اس کی تائید و تصدیق کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا کہ قرآن کریم کا کوئی دعویٰ ایسا نہیں جن کی دلیل بلکہ دلائل خود اس نے نہ دیئے ہوں۔ اور اس مضمون کو آپ نے اس وسعت سے بیان کیا کہ دشمنوں پر اس کی وجہ سے ایک موت آ گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امرتسر میں عیسائیوں سے جو مباحثہ ہوا اور "جنگِ مقدس" کے نام سے شائع ہوا، اس میں آپ نے عیسائیوں کے سامنے یہی بات پیش کی کہ فریقین جو دعویٰ کریں اس کا ثبوت اپنی الہامی کتاب سے دیں۔ اور پھر اس کے دلائل بھی الہامی کتاب سے ہی پیش کریں۔ عیسائی دلائل کیا پیش کرتے وہ یہ دعویٰ بھی انجیل سے نہ نکال سکے کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے۔ ایک دفعہ میں گاڑی میں بیٹھا کہیں جا رہا تھا کہ ایک عیسائی نے مجھ سے کہا۔ میں نے مرزا صاحب کا امرتسر والا مباحثہ دیکھا مگر مجھے تو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے پاس ان کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہی مباحثہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی اور آپ کی سچائی کی دلیل ہے۔ عیسائی نے کہا وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کو کہا تھا۔ کہ اپنا دعویٰ اور اس کے

دلائل اپنی الہامی کتاب سے پیش کرو۔ مگر عیسائی اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اگر میں ہوتا تو اُٹھ کر چلا آتا۔ مگر میرا مرزا پندرہ دن تک عیسائیوں کی بیوقوفی کی باتیں سنتا رہا اور ان کو سمجھاتا رہا یہ حضرت مرزا صاحب کا ہی حوصلہ تھا۔

(۱۰) دسویں غلطی بعض لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ قرآن کریم علوم یقینیہ کو رد کرتا اور ان کے خلاف باتیں بیان کرتا ہے۔ اس غلطی کو بھی آپ نے دور فرمایا اور بتایا کہ قرآن کریم ہی تو ایک کتاب ہے۔ جو نیچر یا خدا کے فعل کو زور کے ساتھ پیش کرتی ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اور ظاہری سلسلہ یعنی نیچر کو باطنی سلسلہ یعنی کلام الٰہی کے مماثل قرار دیتی ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن کریم علوم طبیعیہ کے خلاف باتیں کرتا ہے خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کا فعل ایک دوسرے کے کبھی خلاف نہیں ہو سکتے۔ جو امور قرآن کریم میں خلافِ قانون قدرت قرار دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا۔ وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو یہ کہ جس بات کو لوگوں نے قانون قدرت سمجھ لیا ہے وہ قانون قدرت نہیں۔ یا پھر قرآن کریم کے جو معنی سمجھے گئے ہیں وہ درست نہیں۔ چنانچہ آپ نے اس کے متعلق کئی مثالیں بیان فرمائیں کہ کس طرح قرآن کریم کے معنی غلط سمجھے گئے۔ چنانچہ آپ نے یہی مثال دی ہے کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ [۲۰] کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ آسمان چکر کھاتا ہے اور زمین پھٹتی ہے۔ اور اس پر طبیعی لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آسمان کوئی مادی شے ہی نہیں پھر وہ چکر کیونکر لگاتا ہے اور اگر مادی وجود ہو بھی تو بھی زمین چکر کھاتی ہے نہ کہ آسمان۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ سَمَاء کے معنی بادل کے بھی ہیں اور رَجْع کے معنی بار بار آنے کے۔ پس اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آسمان چکر کھاتا ہے بلکہ یہ ہیں کہ ہم شہادت کے طور پر بادلوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو بار بار خشک زمین کو سیراب کرنے کے لئے آتے ہیں۔ پھر زمین کو پیش کرتے ہیں جو بارش ہونے پر پھٹتی ہے یعنی اس سے کھیتی نکلتی ہے۔ شہادت کے طور پر ان چیزوں کو پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بادلوں کا سلسلہ پیدا کیا ہے کہ وہ بار بار آتے ہیں اور زمین کی شادابی کا موجب ہوتے ہیں اور ان کے بغیر سرسبزی اور شادابی ناممکن ہے، اسی طرح روحانی سلسلہ کا حال ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے بادل نہیں بھیجتا اور اپنے کلام کا

پانی نہیں برساتا زمین کی پھوٹنے کی قابلیت ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن جب آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے تب جاکر انسانی ذہن بھی اپنی قابلیت کو ظاہر کرتا ہے اور آسمانی کلام کی مدد سے باریک در باریک مطالب روحانیہ کو پیدا کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ان آیات کا سیاق بھی انہیں معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آگے فرمایا ہے کہ **اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔** [۲۱] یعنی پہلی بات سے یہ امر ثابت ہے کہ قرآن کریم کوئی لغو بات نہیں' بلکہ حقیقت کو ثابت کرنے والا کلام ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی زمین خشک ہو رہی تھی اور دینی علوم سے لوگ بے بہرہ تھے۔ پس ضرورت تھی کہ خدا کی رحمت کا بادل کلام الٰہی کی صورت میں برستا اور لوگوں کی روحانی خشکی کو دور کرتا۔

اسی طرح آپ نے بتایا کہ دیکھو قرآن کریم کے زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ آسمان ایک ٹھوس چیز ہے اور ستارے اس میں جڑے ہوئے ہیں مگر یہ تحقیق واقعہ کے خلاف تھی۔ قرآن کریم نے اس زمانہ میں ہی اس کو ردّ کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ **كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔** [۲۲] سیارے ایک آسمان میں جو ٹھوس نہیں ہے بلکہ ایک لطیف مادہ ہے جسے سیال سے نسبت دی جاسکتی ہے اور سیارے اس میں اس طرح گردش کرتے ہیں۔ جیسے کہ تیراک پانی میں تیرتا ہے۔ موجودہ تحقیق میں ایتھر کا بیان بالکل اس بیان کے مشابہ ہے۔

اس طرح آپ نے فرمایا کہ **خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** [۲۳] کے یہ معنے کئے جاتے ہیں کہ آدم کی پسلی سے خدا تعالیٰ نے حوا کو پیدا کیا اور اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔ قرآن کریم میں یہ نہیں کہا گیا کہ حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حوا آدم ہی کی جنس سے پیدا کی گئی۔ یعنی جن طاقتوں اور جذبات کو لے کر مرد پیدا ہوا' انہی طاقتوں اور جذبات کو لے کر عورت پیدا ہوئی۔ کیونکہ اگر مرد اور عورت کے جذبات ایک نہ ہوتے تو ان میں حقیقی اُنس پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ اگر مرد میں شہوت رکھی جاتی اور عورت میں نہ ہوتی تو کبھی ان میں اتحاد پیدا نہ ہوتا۔ اور ایک دوسرے سے سر پھٹول ہوتا رہتا۔ پس جیسے جذبات مرد میں رکھے گئے ہیں' ایسے ہی عورت میں بھی رکھے گئے ہیں تاکہ وہ آپس میں محبت سے رہ سکیں۔

اب دیکھو یہ مسئلہ مرد و عورت میں کیسا صلح اور محبت کرنے والا ہے جب کوئی مرد عورت سے بِلاوجہ ناراض ہو تو اسے کہیں گے۔ جیسے تمہارے جذبات ہیں' ایسے ہی عورت کے

بھی ہیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ تمہارے جذبات کو ٹھیس لگے‘ اسی طرح وہ بھی چاہتی ہے کہ اس کے جذبات کو پامال نہ کیا جائے پس تمہیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا [۲۴] سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین چھ دن میں پیدا کئے گئے۔ اور پھر خدا عرش پر قائم ہو گیا۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان لاکھوں سال میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ جیالوجی سے ثابت ہے لیکن حق یہ ہے کہ لوگ خود آیت قرآنیہ کو نہیں سمجھتے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ زمین و آسمان کتنے سالوں میں بنے مگر یہ جانتے ہیں کہ چھ دنوں میں نہیں بنے۔ کیونکہ یوم تو سورج سے بنتے ہیں۔ مگر جب سورج ہی نہ تھا تو یہ دن کہاں سے آگئے؟ یوم کے معنے ایک اندازہ وقت کے ہیں۔ قرآن کریم میں یوم ایک ہزار سال کا بھی اور پچاس ہزار سال کا بھی آیا ہے۔ پس اس آیت میں چھ لمبے زمانوں میں زمین و آسمان کی پیدائش مراد ہے۔

(۱۱) گیارہویں لوگ قرآن کریم کی تفسیر کرنے میں غلطی کیا کرتے تھے۔ آپ نے ایسے اصول پر تفسیر قرآن کریم کی بناء رکھی کہ غلطی کا امکان بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ ان اصول کے ذریعہ سے ہی خدا تعالیٰ نے آپ کے اَتباع پر قرآن کریم کے ایسے معارف کھولے ہیں جو اور لوگوں پر نہیں کھلے۔ چنانچہ میں نے بھی کئی مرتبہ اعلان کیا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی مقام کسی بچہ سے کھلوایا جائے یا قرعہ ڈال لیا جائے پھر اس جگہ کے معارف مَیں بھی لکھوں گا‘ دوسری کسی جماعت کا نمائندہ بھی لکھے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ کس کے ذریعہ قرآن کریم کے معارف ظاہر کراتا ہے مگر کسی نے یہ بات منظور نہ کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اصول تفسیر بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) آپ نے بتایا کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا راز ہے اور راز ان پر کھولے جاتے ہیں جو خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کی تفسیریں جن لوگوں نے لکھی ہیں وہ نہ صوفی تھے نہ ولی بلکہ عام مولوی تھے جو عربی جاننے والے تھے۔ ہاں انہوں نے بعض آیتوں کی تفسیریں لکھی ہیں اور نہایت لطیف تفسیریں لکھی ہیں۔ جیسا کہ حضرت محی الدین صاحب ابن عربی کی کتب میں آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر آتی ہے تو ایسی لطیف ہوتی ہے کہ دل اس کی

صداقت کا قائل ہو جاتا ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ قرآن کریم سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلق باللہ حاصل ہو۔

(۲) دوسرا اصل آپ نے یہ بتایا کہ قرآن کریم کا ہر ایک لفظ ترتیب سے رکھا گیا ہے۔ اس نکتہ سے قرآن کریم کی تفسیر آسان بھی ہو گئی ہے اور اس کے لطیف معارف بھی کھلتے ہیں۔ پس چاہئے کہ جب کوئی قرآن کریم پر غور کرے تو اس بات کو مدّ نظر رکھے کہ خدا تعالیٰ نے ایک لفظ کو پہلے کیوں رکھا ہے اور دوسرے کو بعد میں کیوں۔ جب وہ اس پر غور کرے گا تو اسے حکمت سمجھ میں آجائے گی۔

(۳) قرآن کریم کا کوئی لفظ بے مقصد نہیں ہوتا۔ اور کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔ ہر لفظ کسی خاص مفہوم اور مطلب کے ادا کرنے کے لئے آتا ہے۔ پس کسی لفظ کو یونہی نہ چھوڑو۔

(۴) جس طرح قرآن کریم کا کوئی لفظ بے معنی نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ جس سیاق و سباق میں آتا ہے وہیں اس کا آنا ضروری ہوتا ہے پس معنے کرتے وقت پہلے اور پچھلے مضمون کے ساتھ تعلق سمجھنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ اگر سیاق و سباق کا لحاظ نہ رکھا جائے تو معنے کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔

(۵) قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کی دلیل خود بیان کرتا ہے اس کے متعلق مفصل پہلے بیان کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جہاں قرآن کریم میں کوئی دعویٰ ہو وہاں اس کی دلیل بھی تلاش کرو ضرور مل جائے گی۔

(۶) قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی بات نامکمل نظر آئے اس کے متعلق دوسرا ٹکڑا دوسری جگہ تلاش کرو جو ضرور مل جائے گا اور اس طرح وہ بات مکمل ہو جائے گی۔

(۷) قرآن کریم میں تکرار نہیں۔ اس کے متعلق میں تفصیلاً پہلے بیان کر آیا ہوں۔

(۸) قرآن کریم میں محض قصے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر گذشتہ واقعہ پیشگوئی کے طور پر بیان ہوا ہے۔ یہ بھی پہلے بیان کر چکا ہوں۔

(۹) قرآن کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے۔ پہلے لوگوں کو جو آیت سمجھ نہ آتی تھی اس کے متعلق کہہ دیتے کہ وہ منسوخ ہے اور اس طرح انہوں نے قرآن کریم کا بہت بڑا حصہ منسوخ قرار دے دیا۔ ان کی مثال ایسی ہی تھی۔ جیسے کہتے ہیں کسی شخص کو خیال تھا کہ وہ بڑا

بہادر ہے۔ اس زمانہ میں بہادر لوگ اپنا کوئی نشان قرار دے کر اپنے جسم پر گُدواتے تھے۔ اس نے اپنا نشان شیر قرار دیا اور اسے بازو پر گُدوانا چاہا۔ وہ گودنے والے کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرے بازو پر شیر کا نشان گود دو۔ جب وہ گودنے لگا اور سوئی چبھوئی تو اسے درد ہوئی اور اس نے پوچھا کیا چیز گودنے لگے ہو۔ گودنے والے نے کہا۔ شیر کا کان بنانے لگا ہوں۔ اس نے کہا اگر کان نہ ہو تو کیا اس کے بغیر شیر شیر نہیں رہتا؟ گودنے والے نے کہا کہ نہیں۔ پھر بھی شیر ہی رہتا ہے۔ اس نے کہا اچھا تب کان کو چھوڑ دو۔ اسے بھی پہلے بہانہ سے چھڑا دیا۔ اسی طرح جو حصہ وہ گودنے لگتا وہی چُھڑا دیتا۔ آخر گودنے والے نے کہا کہ اب تم گھر جاؤ۔ ایک ایک کر کے سب حصے ہی ختم ہو گئے ہیں۔ یہی حال قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ ماننے والوں کا تھا۔ گیارہ سو آیات انہوں نے منسوخ قرار دے دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہے۔ اور جن آیات کو منسوخ کہا جاتا تھا۔ ان کے نہایت لطیف معانی اور مطالب بیان فرمائے۔

(۱۰) ایک گُر آپ نے قرآن کریم کے متعلق یہ بیان فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی سنت آپس میں مخالف نہیں ہو سکتے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی سائنس مخالف نہیں ہوتی۔ کیونکہ سائنس بعض اوقات خود غلط بات پیش کرتی ہے اور اس کی غلطی ثابت ہو جاتی ہے۔ بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی سنت اس کے کلام کے خلاف نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جس طرح کلامِ الٰہی کے سمجھنے میں لوگ غلطی کر جاتے ہیں اسی طرح فعلِ الٰہی کے سمجھنے میں بھی غلطی کر جائیں۔

(۱۱) آپ نے یہ بھی بتایا کہ عربی زبان کے الفاظ مترادف نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے حروف بھی اپنے اندر مطالب رکھتے ہیں۔ پس ہمیشہ معانی پر غور کرتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے جو اس قسم کے دوسرے الفاظ میں پائے جاتے ہیں تاکہ وہ زائد بات ذہن سے غائب نہ ہو جائے جو ایک خاص لفظ کے چننے میں اللہ تعالیٰ نے مدنظر رکھی تھی۔

(۱۲) قرآن کریم کی سورتیں بمنزلہ اعضاء انسانی کے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مل کر اور ایک دوسرے کے مقابل پر اپنے کمال ظاہر کرتی ہیں آپ نے فرمایا۔ کسی بات کو سمجھنا ہو تو سارے قرآن پر نظر ڈالنی چاہئے۔ ایک ایک حصہ کو الگ الگ نہیں لینا چاہئے۔

(۱۳) تیرھویں غلطی لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ سمجھتے تھے قرآن کریم احادیث کے

تابع ہے حتی کہ یہاں تک کہتے تھے کہ احادیث قرآن کی آیات کو منسوخ کر سکتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غلطی کو اس طرح دور کیا کہ آپ نے فرمایا۔ قرآن کریم حاکم ہے اور احادیث اس کے تابع ہیں۔ ہم صرف وہی حدیث مانیں گے جو قرآن کریم کے مطابق ہوگی' ورنہ ردّ کر دیں گے۔ اسی طرح وہ حدیث جو قانون قدرت کے مطابق ہو وہ قابل تسلیم ہوگی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کا فعل مخالف نہیں ہو سکتے۔

(۱۴) چودھواں نقص لوگوں میں یہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے جس میں موٹی موٹی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اخلاقی' تمدنی' معاشرتی باتوں کی تفصیل اس میں نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے جس نے روحانیات' معادیات' تمدنیات' سیاسیات اور اخلاقیات کے متعلق جتنے امور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں' وہ سارے کے سارے بیان کر دیئے ہیں۔ اور فرمایا میں یہ سب باتیں نکال کر دکھانے کے لئے تیار ہوں۔

(۱۵) پندرھویں غلطی یہ لوگوں کو لگی ہوئی تھی کہ قرآن کریم کی بعض تعلیمیں وقتی اور عرب کی حالت اور اس زمانہ کے مطابق تھیں۔ اب ان میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ سید امیر علی جیسے لوگوں نے لکھ دیا کہ فرشتوں کا اعتقاد اور کثرت ازدواج کی اجازت ایسی ہی باتیں ہیں۔ دراصل یہ لوگ عیسائیوں کے اعتراضوں سے ڈرتے تھے اور اس ڈر کی وجہ سے لکھ دیا کہ یہ باتیں عربوں کے لئے تھیں ہمارے لئے نہیں ہیں۔ اب ان کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ بات غلط ہے۔ قرآن کریم کے سارے احکام صحیح اور کوئی حکم وقتی نہیں سوا اس کے جس کے متعلق قرآن کریم نے خود بتا دیا ہو کہ یہ فلاں وقت اور فلاں موقع کے لئے حکم ہے۔

آپ نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ آخری شریعت لانے والے تھے اس لئے سب تعلیمیں قرآن کریم میں موجود ہیں اور ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ ہاں ان تعلیموں پر عمل کرنے کے اوقات خود اس نے بتا دیئے ہیں۔ اور قرآن کریم کی کوئی ایسی تعلیم نہیں ہے جس پر عمل ہمیشہ کے لئے بند ہو یا ایسی کوئی تعلیم نہیں ہے جس پر کوئی عمل نہ کر سکے اور تفصیلاً آپ نے ان اعتراضوں کو دور کیا جو ملائکہ اور کثرتِ ازدواج اور ایسے ہی دوسرے مسائل پر پڑتے تھے۔

(۱۶) سولھویں غلطی لوگوں کو یہ لگ رہی تھی۔ کہ وہ قرآن کریم کو ایک متبرّک کتاب

قرار دیتے تھے اور روزمرہ کام آنے والی کتاب نہیں سمجھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس کی تلاوت اور اس کے مطالب پر غور کرنے کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ ہو گئے تھے۔ خوبصورت جُز دانوں میں لپیٹ کر قرآن کریم کو رکھ دینا یا خالی لفظ پڑھ لینے کافی سمجھتے تھے کہیں قرآن کریم کا درس نہ ہوتا تھا۔ حتی کہ اس کا ترجمہ تک نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ ترجمہ کے لئے سارا دارومدار تفسیروں پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس زمانہ میں وہ شخص ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن کو قرآن کر کے پیش کیا اور توجہ دلائی کہ قرآن کا ترجمہ پڑھنا چاہئے۔ آپ سے پہلے قرآن کا کام صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یا مُردوں پر پڑھا جائے۔ یا اچھا خوبصورت غلاف چڑھا کر طاق میں رکھدیا جائے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ شاعروں نے خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول کریم ﷺ کی نعت میں تو بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ مگر قرآن کریم کی تعریف میں کسی نے بھی کوئی نظم نہیں لکھی۔ پہلے انسان حضرت مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے قرآن کی تعریف میں نظم لکھی اور فرمایا۔

جمال و حسنِ قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی نعت پڑھنی ہوتی ہے تو وہ انہیں مل جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حمد کے شعر پڑھنے ہوتے ہیں تو وہ انہیں مل جاتے ہیں مگر قرآن کریم کی تعریف میں انہیں نظم نہیں ملتی اور دشمن سے دشمن بھی حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ مرزا صاحب خود تو برے تھے مگر یہ شعر انہوں نے بہت اچھے کہے ہیں۔ آپ کے کلام کو پڑھنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صحیح معنوں میں قرآن کریم کو ثریا سے لائے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

پانچواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا ہے کہ ملائکہ کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں انہیں آپ نے دور کیا ہے۔

(۱) بعض لوگ کہتے تھے کہ قوائے انسانی کا نام ملائکہ رکھا گیا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو ملائکہ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے اس شُبہ کا بہ زور ردّ کیا اور بتایا کہ ملائکہ کا وجود وہمی نہیں

ہے بلکہ وہ کارخانہ عالم میں ایک مفید اور کار آمد وجود ہیں آپ نے فرمایا کہ :۔

(الف) ملائکہ کی ضرورت اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے مگران کا وجود انسانوں کے لئے ضروری ہے جس طرح خدا تعالیٰ بغیر کھانے کے انسان کا پیٹ بھر سکتا ہے لیکن اس نے کھانا بنایا۔ بغیر سانس کے زندہ رکھ سکتا تھا۔ مگر اس نے ہوا بنائی۔ بغیر پانی کے سیر کر سکتا تھا مگر اس نے پانی بنایا۔ بغیر روشنی کے دکھا سکتا تھا مگر اس نے روشنی بنائی۔ بغیر ہوا کے سنا سکتا تھا مگر آواز کو پہنچانے کے لئے اس نے ہوا بنائی۔ اور اس کے اس کام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اسی طرح اس نے اگر اپنا کلام پہنچانے کے لئے ملائکہ کا وجود بنایا تو حاجت اور ضرورت کا سوال کیوں پیدا ہو گیا؟ باقی ذرائع کے پیدا کرنے سے اگر خدا تعالیٰ کی احتیاج نہیں بلکہ بندہ کی احتیاج ثابت ہوتی ہے تو ملائکہ کے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی احتیاج کیونکر ثابت ہوئی؟ ان کی پیدائش بھی مخلوق کی ضرورت کے لئے ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی احتیاج کی وجہ سے۔

(ب) دوسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ انسان کی عملی اور ذہنی ترقی کے لئے ملائکہ کا وجود ضروری ہے۔ علمی ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ جو باتیں مخفی در مخفی رکھی گئی ہیں ان کو انسان دریافت کرتے جاتے ہیں اور ترقی کرتے جاتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ کارخانۂ عالم اس طرح چلایا جاتا کہ نتائج یکدم نہ نکلتے بلکہ مخفی در مخفی اسباب کا نتیجہ ہوتے' تاکہ انسان ان کو دریافت کر کے علوم میں ترقی کرتا جاتا اور دنیا اس کے لئے ایک طے شدہ سفر نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ اس کے لئے کام موجود رہتا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی ملائک ہیں۔ جن کا کام یہ ہے کہ وہ ان قوانین کو صحیح طور پر چلائیں جن کو خدا تعالیٰ نے سنت اللہ کے نام سے دنیا میں جاری کیا ہے۔ ان کے وجود کے بغیر بے جان مادہ کا سلسلۂ عمل اس خوبی سے چل ہی نہیں سکتا تھا جس طرح کہ وہ ان کی موجودگی میں چل رہا ہے۔

(۲) دوسری غلطی ملائکہ کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ بھی انسانوں کی طرح چل پھر کر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق بتایا کہ وہ تصرّف کے ذریعہ سے کام کرتے ہیں نہ کہ خود ہر جگہ جاکر۔ اگر انہیں ہر جگہ جاکر کام کرنا پڑتا تو عزرائیل کے لئے اس قدر آدمیوں کی جان یکدم نکالنی مشکل ہوتی۔ ہاں جب انہیں کسی مقام پر ظاہر ہونے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس جگہ متمثل ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ اپنی جگہ سے ہلیں۔

(۳) تیسری غلطی ملائکہ کے متعلق یہ لگ رہی تھی کہ گویا وہ بھی گناہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ

آدم کے واقعہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ملائکہ نے خدا تعالیٰ پر اعتراض کیا کہ اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح خیال کیا جاتا تھا کہ بعض ملائکہ دنیا میں آئے اور ایک کنچنی پر عاشق ہو گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی اور وہ چاہ بابل میں اب تک قید ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اتہامات سے ملائکہ کو پاک کیا اور بتایا کہ ملائکہ تو قانون قدرت کی پہلی زنجیر ہیں۔ ان میں خیر و شر کے اختیار کرنے کی قدرت ہی حاصل نہیں۔ انہیں تو جو کچھ خدا تعالیٰ کہتا ہے کرتے ہیں۔ نہ اس کے خلاف ایک بالشت ادھر ہو سکتے ہیں نہ ادھر۔

(۴) چوتھی غلطی یہ لگ رہی تھی۔ کہ ملائکہ کو ایک فضول سا وجود سمجھا جاتا تھا۔ جیسے کہ بڑے بڑے بادشاہ اپنے گرد ایک حلقہ آدمیوں کا رکھتے ہیں گویا خدا تعالیٰ نے بھی اسی طرح انہیں رکھا ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ ایسا نہیں بلکہ سب کارخانۂ عالم انہی پر چل رہا ہے پھر ان کا کام انسانوں کے دلوں میں نیک تحریکات کرنا بھی ہے اور انسان ان سے تعلقات پیدا کر کے روحانی علوم میں ترقی کر سکتا ہے۔

انبیاء کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

چھٹا کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا کہ انبیاء کے متعلق جو غلطیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کو دور کیا۔

(۱) پہلی غلط فہمی انبیاء کے متعلق یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے سنّی سوائے اولیاء اللہ اور صوفیاء کے گروہ اور ان کے متعلقین کے عصمت انبیاء کے مخالف تھے بعض تو امکانات کی حد تک ہی رہتے لیکن بہت سے عملاً انبیاء کی طرف گناہ منسوب کرتے اور اس میں عیب محسوس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کہتے تھے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہتے کہ انہوں نے چوری کی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق کہتے کہ وہ خدا سے ناراض ہو گئے تھے۔ داؤد علیہ السلام کی نسبت کہتے کہ وہ کسی غیر کی بیوی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کے حصول کے لئے انہوں نے خاوند کو جنگ پر بھجوا کر مروا دیا۔ یہ مرض یہاں تک ترقی کر گیا کہ سید ولدِ آدم ﷺ کی ذات بھی محفوظ نہ رہی تھی۔

(الف) حضرت مسیح موعودؑ نے بتایا کہ یہ خیالات بالکل غلط ہیں اور جو باتیں بیان کی جاتی ہیں بالکل جھوٹ ہیں۔ آپ نے ان باتوں کا غلط ہونا دو طرح ثابت کیا۔ ایک اس طرح کہ

فرمایا یہ قانون قدرت ہے کہ معرفتِ کامل گناہ سوز ہوتی ہے۔ مثلاً جسے یقین کامل ہو کہ فلاں چیز زہر ہے' وہ کبھی اسے نہیں کھائے گا۔ پس جب یہ مانتے ہو کہ نبی کو معرفت کامل حاصل ہوتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ نبی گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے' یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ پس یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی سے کوئی گناہ سرزد ہو۔

(ب) یہ کہ نبی کے بھیجنے کی ضرورت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ ہو' ورنہ نبی کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ لکھی لکھائی کتاب نہیں بھیج سکتا تھا۔ پس نبی آتا ہی اس لئے ہے کہ خدا کے کلام پر عمل کر کے لوگوں کو دکھائے اور ان کے لئے کامل نمونہ بنے پس اگر نبی بھی گناہ کر سکتا ہے تو پھر وہ نمونہ کیا ہو گا۔ نبی کی تو غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ جو لفظوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو وہ اپنے عمل سے لوگوں کو سکھائے۔

(۲) دوسری غلطی جس میں لوگ مبتلا تھے یہ تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ نبی سے اجتہادی غلطی نہیں ہو سکتی۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو لوگ کہتے تھے کہ نبی گناہگار ہو سکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتے کہ نبی سے اجتہادی غلطی نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ کو علمی مسئلہ بنا دیا اور بتایا کہ:۔

(الف) نبی سے اجتہادی غلطی نہ صرف ممکن ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی پر جو کلام نازل ہوا وہ اس کا نہیں بلکہ اور ہستی نے نازل کیا ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کے سمجھنے میں کسی کو غلطی نہیں لگتی۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں بات جب میں نے کہی تھی تو اس کا میں نے اور مطلب سمجھا تھا اور اب اور سمجھتا ہوں۔ اس غلطی کا لگنا ثبوت ہوتا ہے اس امر کا کہ وہ بات اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ نبی سے اجتہادی غلطی سرزد ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی سچائی کا ایک ثبوت بنے۔

(ب) دوسرے نہ صرف نبی کو اجتہادی غلطی لگتی ہے بلکہ خدا تعالیٰ نبی سے اجتہادی غلطی بعض دفعہ خود کراتا ہے۔ تاکہ اول نبی کا اصطفاء کرے یعنی اس کا درجہ اور بلند کرے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب ہے جب ان کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ بیٹے کو قتل کر دیں۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو جب وہ قتل کرنے لگے تھے انہیں منع نہ کیا جاتا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کو خواب ایسے رنگ میں دکھائی گئی کہ ابراہیمؑ کا ایمان لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ اور جب وہ اس کے ظاہری معنوں کی

طرف مائل ہوئے تو اس کی حقیقت ان پر کھولی گئی حتّٰی کہ وہ عملاً بیٹے کو قتل کرنے لگے تب بتایا گیا کہ ہمارا یہ مطلب نہ تھا اور یہ خدا تعالیٰ نے اسی لئے کیا تا دنیا کو بتا دے کہ خدا کے لئے ابراہیمؑ اپنا اکلوتا اور بڑھاپے کا بیٹا بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔

دوسری قسم کی اجتہادی غلطیاں ابتلائی ہوتی ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کا امتحان لینے کیلئے۔ جیسے صلح حدیبیہ کے وقت ہوا کہ آپؐ کو خواب میں طواف کا نظارہ دکھایا گیا۔ مگر اس سے مراد یہ تھی کہ آئندہ سال طواف ہوگا۔ آپؐ نے سمجھا کہ ابھی عمرہ کر آئیں۔ اور ایک جماعت کثیر کو لے کر آپؐ چل پڑے مگر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کا پھر بھی اظہار نہ کیا۔ جب روک پیدا ہوئی تو کئی صحابہ کو حیرت ہوئی اور کمزور طبائع کے لوگ تو تمسخر کرنے لگے اور اس طرح مؤمن و منافق کے ایمان کی آزمائش ہوگئی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ الہام کے سمجھنے میں تب ہی اجتہادی غلطی لگ سکتی ہے جب الہام کے الفاظ تعبیر طلب ہوں یا جو نظارہ دکھایا جائے وہ تعبیر رکھتا ہو۔ اگر الہام دماغی اختراع ہوتا تو پھر دماغ سے ایسے الفاظ نکلتے جو واضح ہوتے نہ کہ تعبیر طلب نظارے یا الفاظ۔ تعبیر طلب نظارے تو ارادے کے ساتھ نہیں بنائے جاسکتے مثلاً دماغ کو اس سے کیا نسبت ہے کہ وہ قحط کو دبلی گائیوں کی شکل میں دکھائے پس اجتہادی غلطی کا سرزد ہونا الہام کے دماغی اختراع ہونے کے منافی ہے اور اس تشریح کی وجہ سے یورپ کی ان نئی تحقیقاتوں پر جو الہام کے متعلق ہو رہی ہیں' پانی پھر جاتا ہے۔ کیونکہ اجتہادی غلطی کی موجودگی میں جو باریک تعبیر کا دروازہ کھلا رکھتی ہے الہام کو انسانی دماغ کا اختراع کسی صورت میں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ دماغی اختراع اگر فتور دماغ کا نتیجہ ہوگا تو پراگندہ ہوگا اور کبھی پورا نہ ہوگا۔ اگر ذہنی قابلیت کا نتیجہ ہو تو صاف الفاظ میں ہوگا' تعبیر طلب نہ ہوگا۔

(۳) تیسری غلطی لوگوں کو شفاعت انبیاء کے متعلق لگی ہوئی تھی اور اس کی دو شقّیں تھیں۔

(الف) یہ کہ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ جو مرضی آئے کرو' شفاعت کے ذریعہ سب کچھ بخشا جائے گا۔ چنانچہ ایک شاعر کا قول ہے۔

مستحق شفاعت گناہگاراں اند

یعنی شفاعت کے مستحق گناہگار ہی ہیں۔

(ب) بعض لوگ اس کے الٹ یہ خیال کرتے تھے کہ شفاعت شرک ہے۔ اور صفات باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں غلطیوں کو دور کیا آپ نے مسئلہ شفاعت کی یہ تشریح کی کہ شفاعت خاص حالتوں میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن سے ہوتی ہے۔ پس شفاعت پر توکل کرنا درست نہیں ہے۔ شفاعت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ باوجود پوری کوشش کرنے کے پھر بھی انسان میں کچھ خامی رہ گئی ہو اور جب تک انسان شفیع کے ہمرنگ نہ ہو جائے شفاعت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ شفیع کے معنی ہیں جوڑا۔ اور جب تک کوئی رسول کا جوڑا نہ بن جائے شفاعت سے بخشا نہیں جا سکتا۔ پھر وہ جو کہتے ہیں شفاعت شرک ہے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اگر شفاعت حکومت کے ذریعہ کرائی جاتی۔ یعنی رسول کریم ﷺ خدا تعالیٰ سے حکماً کہتے کہ فلاں کو بخش دے تو یہ شرک ہوتا۔ مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے شفاعت ہمارے اذن سے ہوگی یعنی ہم حکم دے کر رسول سے یہ کام کرائیں گے جب ہم کہیں گے کہ شفاعت کرو' تب نبی شفاعت کرے گا اور یہ امر شرک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس میں نہ خدا تعالیٰ کی ہمسری ہے اور نہ اس کی کسی صفت پر پردہ پڑتا ہے۔

آپ نے ثابت کیا کہ نہ صرف شفاعت جائز ہے بلکہ دنیا کی روحانی ترقی کیلئے ضروری ہے اور اس کے بغیر دنیا کی نجات ناممکن ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ ورثہ سے کمالات ملتے ہیں اگر کوئی کہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کا باپ نماز نہیں پڑھتا۔ مگر بیٹا پکا نمازی ہوتا ہے' پھر اس بیٹے کو یہ بات ورثہ میں کس طرح ملی؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ باپ میں نماز پڑھنے کی قابلیت تھی تبھی بیٹے میں آئی ورنہ کبھی نہ آتی۔ بھینس میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ اس لئے کسی بھینس کا بچہ ایسا نہیں ہوتا جو نماز پڑھ سکے۔ پس حق یہی ہے کہ کمالات ورثہ میں ملتے ہیں اور جب جسمانی کمالات ورثہ میں ملتے ہیں تو روحانی کمالات بھی ان اشخاص کو جو آدم کے مقام پر نہیں ہوتے بغیر ورثہ کے نہیں مل سکتے۔ پس انسانوں کے لئے جو اپنی ذات میں کمال حاصل نہیں کر سکتے' نبی بھیجے جاتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ ایسے انسان پیدا کرتا ہے جن پر آسمان سے روحانیت کے فیوض ڈالے جاتے ہیں۔ اور ان کو خدا تعالیٰ آدم قرار دیتا ہے پھر ان کی روحانی اولاد بن کر دوسرے لوگوں کو روحانی فیوض ملتے ہیں۔ اور اس طرح وہ نجات حاصل

کرتے ہیں۔ پس شفاعت تو قانون قدرت سے کامل مطابقت رکھنے والا مسئلہ ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

(۴) انبیاء کے متعلق جن غلطیوں میں مسلمان مبتلا تھے ان میں سے چوتھے نمبر پر وہ غلطیاں ہیں۔ جو خصوصیت سے حضرت مسیح ناصری کے متعلق پیدا ہو رہی تھیں۔ مسیح کی ذات ایک نہیں متعدد غلطیوں کی آماجگاہ بنا دی گئی تھی۔ اور پھر تعجب یہ کہ ان کے متعلق مختلف اقوام غلط خیالات میں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب غلطیوں کو دور کیا۔

سب سے پہلی غلطی حضرت مسیحؑ ناصری کی پیدائش کے متعلق تھی۔ مسلمان بھی اور دوسرے لوگ بھی اس غلطی میں مبتلا تھے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش انسانی پیدائش سے بالا قسم کی پیدائش تھی۔ اور ان کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے پیدا ہونا اپنی مثال آپ ہی تھا۔ اس خیال سے بڑا شرک پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ سب انبیاء میں روح اللہ تھی اور سب کلمۃ اللہ تھے۔ حضرت مسیحؑ پر چونکہ اعتراض کیا جاتا تھا اور انہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ولد الزنا کہا جاتا تھا اس لئے ان کی بریت کے لئے ان کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ورنہ سارے نبی روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان کے کفر کا انکار کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ۲۵ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا تھا باقی سب انبیاء نے کیا تھا۔ ان کے کفر کے انکار کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان پر کفر کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس لئے ان کے متعلق الزام کو رد کیا گیا۔ دوسرے انبیاء کے متعلق چونکہ اس قسم کا الزام نہیں لگا تھا اس لئے ان کے متعلق کفر کی نفی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کا تھا۔ جن کے متعلق یہود کا الزام تو الگ رہا' بڑے بڑے عیسائی بھی کہتے ہیں کہ وہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ولد الزنا تھے۔ مگر اس میں ان کا کیا قصور تھا۔ چنانچہ ٹالسٹائے جو ایک بہت مشہور عیسائی ہوا ہے۔ اس نے مفتی محمد صادق صاحب کو لکھا کہ اور تو مرزا صاحب کی باتیں معقول ہیں لیکن مسیح کو بن باپ قرار دینا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اس کی وجہ مسیح کو پیدائش کے داغ سے بچانا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی پیدائش میں خداوند کا کیا قصور تھا۔ غرض یہود چونکہ آپ کی پیدائش پر الزام لگاتے تھے کہ

وہ شیطانی تھی اور خود مسیحیوں میں سے بعض نے آئندہ ایسا کرنا تھا' اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کی براءت کے لئے فرمایا کہ ان کی پیدائش روح اللہ سے تھی' کسی گناہ کا نتیجہ نہ تھی۔ اور کسی ایسے فعل کا نتیجہ نہ تھی جو خدا کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ کلمۃ اللہ کے مطابق تھی۔ پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ سے مسیح کی پیدائش کا ذکر کرنا تعظیماً نہیں بلکہ اس کی براءت کیلئے ہے۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم مسیح کی پیدائش کو قانون قدرت سے بالا سمجھیں۔ ایسی پیدائش اور انسانوں میں بھی ہو سکتی ہے اور حیوانوں میں تو یقیناً ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ کیوں خدا تعالیٰ نے انہیں بلا باپ پیدا کیا؟ باپ سے ہی کیوں نہ پیدا کیا۔ تو اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق بنی اسرائیل میں سے متواتر انبیاء آ رہے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے مسیح کی پیدائش کے ذریعہ سے انہیں آخری بار تنبیہہ کی اور بتایا کہ اب تک ہم معاف کرکے تمہارے اندر سے نبی بھیجتے رہے ہیں۔ مگر اب ہم ایک انسان کو بھیجتے ہیں جو ماں کی طرف سے بنی اسرائیل ہے اور باپ کی طرف سے نہیں۔ اگر آئندہ بھی باز نہ آؤ گے۔ تو ایسا ہی آئے گا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے غیر اسرائیلی ہوگا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل نے اس تنبیہہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور شرارت میں بڑھتے گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا جو کلّی طور پر بنی اسرائیل سے جُدا تھے۔

پس حضرت مسیحؑ کی بے باپ پیدائش بطور رحمت کے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے لئے بطور انذار تھی۔ چنانچہ اس کا انجام یہی ہوا۔

دوسری غلطی مسیح ناصری علیہ السلام کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ مسلمان خیال کرتے تھے کہ صرف حضرت مسیح اور ان کی ماں مسِّ شیطان سے پاک تھیں۔ اور کوئی انسان ایسا نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق بتایا کہ کل انبیاء بلکہ مؤمن بھی مس شیطان سے پاک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مؤمنوں کو حکم ہے کہ جب وہ بیوی کے پاس جائیں تو یہ دعا پڑھا کریں۔ **اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔** [۲۶] اے اللہ! مجھے بھی شیطان سے بچا اور میری اولاد کو بھی بچا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو بچہ پیدا ہوگا اسے شیطان مس نہ کرے گا۔ یہ گُر رسول کریم ﷺ نے مسِّ شیطان سے اولاد کو

محفوظ رکھنے کا بتایا ہے۔ پس جب امت محمدیہ ؐ کے افراد بھی مسِّ شیطان سے پاک ہو سکتے ہیں تو انبیاء اور خصوصاً سید وُلدِ آدم کیوں محفوظ نہ ہوں گے۔ آپ نے بتایا کہ حدیثوں میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ مسِّ شیطان سے پاک تھیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حضرت مسیح پر ولد الزنا ہونے کا الزام لگایا جاتا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ وہ مس شیطان سے پاک تھے یعنی ان کی پیدائش شیطانی نہ تھی۔ پس حدیث میں جو ان کے پاک ہونے کا ذکر آتا ہے اس سے مراد مسیح اور ابن مریم کی طرح کے لوگ ہیں نہ کہ صرف حضرت مسیح اور حضرت مریم۔ چنانچہ ان دونوں ناموں کو سورۃ تحریم میں بطور مثال بیان بھی کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی یہ اصطلاح ہے کہ وہ مومنوں کے ایک گروہ کا نام مسیح اور دوسرے کا مریم رکھتا ہے۔

(۳) تیسری غلطی حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے متعلق لگی ہوئی تھی۔ مثلاً لوگ کہتے تھے۔ حضرت مسیح نے مُردے زندہ کئے' وہ پرندے پیدا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان غلطیوں کو بھی دور فرمایا اور بتایا کہ خدا تعالیٰ اپنی صفات کسی کو نہیں دیتا۔ قرآن کریم میں صاف الفاظ میں بیان ہے کہ مردے زندہ کرنا اور پیدا کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ اور مُردے زندہ کرنے کے متعلق تو وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دنیا میں وہ مُردے زندہ کرتا ہی نہیں۔ پس یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح ناصری نے فی الواقع مُردے زندہ کئے یا جانور پیدا کئے شرک ہے۔ اور ہرگز درست نہیں ہاں انہوں نے روحانی طور پر ایسی باتیں کیں یا علم الترب کے ذریعہ سے بعض نشانات دکھائے یا یہ کہ ایسے لوگ ان کی دعا سے اچھے ہوئے جو قریب المرگ تھے۔

(۴) چوتھی غلطی لوگوں کو حضرت مسیح ؑ کی تعلیم کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کی تعلیم سب سے اعلیٰ اور بہت مکمل ہے حضرت مسیح نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تو دوسرا بھی پھیر دے' یہ کمال حلم کی تعلیم ہے اور اس سے بڑھ کر اخلاقی تعلیم ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تعلیم ایک وقت اور ایک قوم کے لئے تو اچھی ہو سکتی تھی۔ لیکن ہر وقت اور ہر قوم کیلئے یہ تعلیم ہرگز اچھی نہیں۔ اس لئے سب سے کامل تعلیم نہیں کہلا سکتی۔ اس تعلیم کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہود میں بہت سختی پیدا ہو گئی تھی اور وہ بڑے ظلم کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے

حضرت مسیح کے ذریعہ سے ان کو انتہائی درجہ کی نرمی کی تعلیم دی تا کہ ان کی خشونت کم ہو' ورنہ اس تعلیم پر ہر موقع پر ہرگز عمل نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر مجھے مصر کا ایک واقعہ یاد آگیا ہے۔ کہتے ہیں ایک پادری صاحب وعظ کیا کرتے تھے۔ دیکھو مسیح نے کیسی اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو۔ ایک دن مجمع میں سے ایک مصری نے نکل کر پادری صاحب کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ پادری صاحب اس پر بہت غصے ہوئے اور اسے مارنے کے لئے آگے بڑھے۔ اس مصری مسلمان نے کہا کہ مسیح کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے تو تمہیں دوسرا گال بھی میری طرف پھیرنا چاہئے تھا تا کہ میں اس پر بھی طمانچہ ماروں۔ پادری صاحب نے جواب دیا کہ نہیں اس وقت تو میں مسیح کی تعلیم پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرونگا' ورنہ تم لوگ بہت دلیر ہو جاؤ گے۔ پس جیسا کہ عقل بتاتی ہے اور جیسا کہ مسیحی لوگوں کا طریق عمل بتایا ہے اس تعلیم پر ہمیشہ عمل نہیں ہو سکتا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت کیا کہ حضرت مسیح کی تعلیم نامکمل ہے اور اس پر ہر وقت اور ہر زمانہ میں عمل نہیں کیا جا سکتا اس کے مقابلہ میں آپ نے بتایا کہ قرآن کی تعلیم کامل ہے اور ہر زمانہ اور ہر وقت کیلئے ہے۔

(۵) پانچویں غلطی حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے متعلق تھی۔ جس میں مسلمان اور یہود اور عیسائی سب مبتلا تھے۔ مسلمان کہتے تھے یہود نے حضرت مسیح کی بجائے کسی اور کو صلیب پر لٹکا دیا تھا۔ اور انہیں خدا نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ یہود اور عیسائی کہتے تھے کہ حضرت مسیح کو ہی صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے خیال کو تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح رد کیا کہ فرمایا:-

حضرت مسیح کی بجائے کسی اور کو صلیب پر لٹکانا صریح ظلم تھا۔ اور اگر اس شخص کی مرضی سے لٹکایا گیا تھا تو اس کا ثبوت تاریخ میں ہونا چاہئے۔ پھر اگر مسیح کو خدا نے آسمان پر اٹھا لینا تھا۔ تو کسی اور غریب کو صلیب پر چڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پس یہ غلط ہے کہ مسیح کی جگہ کسی اور کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ اور یہ بھی کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف آپ نے یہود اور مسیحیوں کی بھی تردید کی کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا اور ثابت کیا کہ حضرت مسیح کو صلیب سے زندہ اتار لیا گیا تھا اور اس طرح خدا نے ان کو لعنتی موت سے بچا لیا۔

اب دیکھو انیس سو سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس واقعہ کی اصل حقیقت کا پتہ لگانا کتنا بڑا کام ہے۔ خصوصاً جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اترنے کے ثبوت آپ نے خود انجیل سے ہی دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت مسیح سے ایک دفعہ علماء وقت نے نشان طلب کیا تھا۔ تو اس نے انہیں جواب میں کہا۔

"اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔" [۲۷]

تورات سے ثابت ہے کہ حضرت یونسؑ تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے تھے اور پھر زندہ ہی نکلے تھے۔ پس ضروری تھا کہ حضرت مسیح ناصری بھی صلیب کے واقعہ کے موقع پر زندہ ہی قبر میں داخل کئے جاتے اور زندہ ہی نکلتے پس یہ خیال کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے انجیل کے صریح خلاف ہے اور خود مسیح کی تکذیب اس سے لازم آتی ہے۔

عیسائیت کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ اتنا بڑا حربہ ہے کہ آپ کے کام کی عظمت ثابت کرنے کیلئے اکیلا ہی کافی ہے مگر آپ نے اس پر بھی بس نہیں کی۔ بلکہ آپ نے تاریخ سے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری واقعہ صلیب کے بعد کشمیر آئے اور وہاں آکر فوت ہوئے گویا ان کی سب زندگی کو پردہ اخفاء سے نکال کر ظاہر کر دیا۔

(۶) چھٹی غلطی حضرت مسیح کی زندگی اور دوبارہ آنے کے متعلق تھی اس غلطی کو بھی آپ نے ظاہر کیا اور بتایا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی ہتک ہے کہ وہ اپنے کام کے لئے ایک پرانا آدمی سنبھال کر رکھ چھوڑے اور نیا آدمی نہ بنا سکے کیا جو صبح کی باسی روٹی رکھ کر شام کو کھائے اسے امیر کہا جائے گا؟ یہ باسی روٹی رکھنے والے کی امارت نہیں بلکہ غربت کا ثبوت ہو گا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو زندہ رکھا ہوا ہے تا کہ ان کے ذریعہ امتِ محمدیہ کی اصلاح کرے۔ ان کے کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰ جیسا انسان اتفاقاً بن گیا تھا جسے اس نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ جب دنیا میں فتنہ ہو گا تو اسے نازل کرے گا۔ مگر یہ غلط ہے جس طرح امیروں کا یہ کام ہوتا ہے کہ جو روٹی بچ رہے اسے غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں اور دوسرے وقت نیا کھانا تیار کرتے ہیں۔ اسی طرح

اللہ تعالیٰ بھی ہر زمانہ کے مطابق نئے بندے پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو سنبھال کر زندہ رکھنا ہوتا تو محمد ﷺ جیسے انسان کو زندہ رکھتا مگر آپ تو فوت ہو گئے۔ کیا دنیا میں کوئی انسان ایسا ہے جو عمدہ دوا کو تو پھینک دے اور ادنیٰ دوا کو سنبھال کر رکھ چھوڑے اور پھر خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ کو کیوں زندہ رکھا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت عیسیٰ کو زندہ رکھنے اور امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے بھیجنے میں رسول کریم ﷺ کی ہتک ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے معلّم تھے اور آپ کا کام اعلیٰ درجہ کے شاگرد پیدا کرنا تھا۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ امت محمدیہ میں فتنہ پیدا ہوگا، اس وقت محمد ﷺ تو کوئی ایسا شاگرد نہ پیدا کر سکیں گے جو اس فتنہ کو دور کر سکے مگر حضرت عیسیٰ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے تھے، اس کام کے لئے لائے جائیں گے۔ نیز اس عقیدہ میں امت محمدیہ کی بھی ہتک ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے نازک موقع پر خطرناک طور پر ناقابل ثابت ہوگی۔ حتیٰ کہ دجّال تو اس میں پیدا ہوں گے مگر مسیح دوسری امت سے آئے گا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت مسیح جن کی عزت کے لئے یہ عقیدہ بنایا گیا ہے اس میں ان کی بھی درحقیقت ہتک ہے کیونکہ وہ مستقل نبی تھے۔ اگر وہ دوبارہ آئیں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اس نبوت سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور انہیں امتی بننا پڑے گا۔

معجزات کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

ساتواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ معجزات کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں، ان کی اصلاح کی۔ دنیا معجزات کے متعلق دو گروہوں میں تقسیم تھی۔ بعض لوگ معجزات کے کلی طور پر منکر تھے۔ اور بعض ہر رطب و یابس قصہ کو صحیح تسلیم کر رہے تھے جو لوگ معجزات کے منکر تھے۔ انہیں آپ نے علاوہ دلائل کے اپنے معجزات کو پیش کر کے ساکت کیا اور دعویٰ کیا کہ۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمانِ محمد

جو لوگ ہر رطب و یابس حکایت کو معجزہ قرار دے رہے تھے انہیں آپ نے بتایا کہ معجزہ تو ایک غیر معمولی کیفیت کا نام ہے اور غیر معمولی امور کے تسلیم کرنے کیلئے غیر معمولی ثبوت کی

بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پس انہی معجزات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ (۱) جن کا ذکر الہامی کتاب میں ہو۔ یا یہ کہ ان کی تائید میں زبردست تاریخی ثبوت ہو (۲) دوسرے جو سنت اللہ کے خلاف نہ ہو خواہ بظاہر اچنبھا نظر آئے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ کوئی مُردہ اس دنیا میں زندہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں نبی یا ولی نے مُردہ زندہ کیا ہے تو چونکہ یہ قرآن کے خلاف ہو گا' ہم اسے ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ معجزہ دکھانے والی ہستی نے خود فرما دیا ہے کہ وہ مُردہ زندہ نہیں کرے گی۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان نہ صرف حضرت عیسیٰ کو بلکہ اور لوگوں کو بھی مُردے زندہ کرنے والے قرار دیتے ہیں۔ ہندو ان سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ مسلمانوں میں تو ایسی روایات ہیں کہ کوئی بزرگ تھے جن کے سامنے پکا ہوا مرغ لایا گیا۔ انہوں نے مزے سے اس کا گوشت کھایا اور پھر اس کی ہڈیاں جمع کر کے ہاتھ میں پکڑ کر دبائیں اور وہ کڑ کڑ کرتا ہوا مرغ بن گیا۔ مگر ہندو ان سے بھی عجیب و غریب باتیں بیان کرتے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ان کے کوئی رشی تھے جو کہیں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک خوبصورت عورت دیکھ کر اسے پھسلانا چاہا' مگر وہ راغب نہ ہوئی کیونکہ بدبخت تھی۔ اس وقت اس رشی کو یونہی انزال ہو گیا اور انہوں نے دھوتی اتار کر پھینک دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس دھوتی سے بچہ پیدا ہو گیا کیونکہ رشی کا نطفہ ضائع نہیں جا سکتا تھا۔ اسی طرح نیل کنٹھ کے متعلق جو ایک چھوٹا سا پرندہ ہے کہتے ہیں اس نے ایک دریا کا سارا پانی پی لیا۔ ایک برات جا رہی تھی اسے کھا گیا اور ابھی اس کا پیٹ نہیں بھرا تھا۔

اب مسلمان ایسے معجزات کہاں سے لائیں گے اس لئے اسی میں ان کی بہتری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معجزوں کے متعلق جو شرط قرار دی ہے اسے مان لیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے معجزات لوگوں سے منوائیں اور دوسروں کے معجزات سے انکار کریں۔

(۳) تیسری شرط آپ نے یہ بتائی کہ معجزہ میں ایک رنگ کا اخفاء ضروری ہے اگر اخفاء نہ رہے تو معجزہ کی اصل غرض جو ایمان کا پیدا کرنا ہے ضائع ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر عزرائیل آئے اور کہے کہ فلاں نبی کو مان لو ورنہ ابھی جان نکالتا ہوں تو فوراً تمام لوگ مان لیں گے اور ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ پس معجزہ کیلئے اخفاء ضروری ہے۔ کیونکہ معجزہ ایمان کیلئے ہوتا ہے اگر اس میں اخفاء نہ رہے تو اس پر ایمان لانا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ ہاں اس قدر مخفی بھی نہ

ہونا چاہئے کہ دلیل کے درجہ سے ہی ساقط ہو جائے' ورنہ پھر لوگوں کے لئے حجت نہ رہے گا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ معجزہ میں کوئی فائدہ مدنظر ہو کیونکہ معجزہ لغو نہیں ہوتا اور تماشہ کی طرح نہیں دکھایا جاتا بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی غایت اور غرض ہوتی ہے۔ پس جو معجزہ کسی مقصد اور فائدہ پر مشتمل ہو اسی کو تسلیم کیا جا سکتا ہے ورنہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

شریعت کی عظمت کا قیام

آٹھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ شریعت کی عظمت قائم کی۔ شریعت کی عظمت غیر مسلموں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی بالکل مٹی ہوئی تھی۔ آپ کے ذریعہ سے وہ پھر قائم ہوئی۔

(۱) سب سے بڑا وسوسہ شریعت کے متعلق یہ پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ شریعت کو چٹّی سمجھتے تھے۔ عیسائی کہتے تھے یسوع مسیح انسانوں کو شریعت سے بچانے کے لئے آیا تھا۔ گویا شریعت چٹّی تھی جس سے وہ بچانے آئے تھے۔ حالانکہ شریعت تو راہنمائی کے لئے تھی اور کوئی شخص راہنمائی کو چٹّی نہیں کہتا۔ کیا اگر کوئی کسی کو سیدھا راستہ بتائے تو وہ یہ کہا کرتا ہے کہ ہائے اس نے مجھ پر چٹّی ڈال دی۔ مسلمان بھی شریعت کو چٹی سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے اس قسم کی کوششیں کی ہیں کہ شریعت کے فلاں حکم سے بچنے کیلئے کیا حیلہ ہے اور فلاں کیلئے کیا۔ حتّٰی کہ بعض لوگوں نے کِتَابُ الْحِیَل لکھ دی ہے۔ اگر وہ شریعت کو لعنت نہ سمجھتے تو اس سے بچنے کے لئے حیلے کیوں تلاش کرتے۔ وہابی کسی قدر اس سے بچے ہوئے تھے مگر دوسرے مسلمانوں نے عجیب عجیب حیلے تراشے ہوئے تھے۔ مثلاً ایک مشہور فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ قربانی کرنا عید کی نماز کے بعد سنت ہے لیکن اگر کسی کو نماز سے پہلے قربانی کرنے کی ضرورت ہو تو وہ یوں کرے کہ شہر کے پاس کے کسی گاؤں میں جا کر بکرا ذبح کر دے۔ کیونکہ عید شہر میں ہو سکتی ہے اور اس جگہ کے لئے عید کے بعد قربانی کی شرط ہے' اور وہاں سے گوشت شہر میں لے آئے۔

غرض پچھلے زمانہ میں مولویوں کا کام ہی یہ رہ گیا تھا کہ لوگوں کو حیلے بتائیں۔ اور لوگ بھی ان سے حیلے ہی دریافت کرتے رہتے تھے۔ مشہور ہے کہ کچھ لڑکوں نے مُردہ گدھے کا گوشت کھا لیا۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا۔ یہ بہت بڑا گناہ ہوا ہے۔ لڑکوں کے والدین کو چاہئے کہ ایک شہتیر کھڑا کر کے اسے روٹیوں سے ڈھانپیں اور وہ روٹیاں خیرات کر دی جائیں۔ کسی نے کہہ دیا۔ مولوی صاحب آپ کا لڑکا بھی ان میں شامل تھا۔ اس پر کہنے لگے کہ

ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں پھر غور کر لوں۔ آخر کہنے لگے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ شہتیر کو زمین پر لمبا ڈال کر اس پر ایک ایک روٹی رکھ دی جائے اور اس طرح اسے ڈھانپ دیا جائے۔

(۲) دوسرا وسوسہ یہ پیدا ہو رہا تھا کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ شریعت تو اصل مقصد نہیں ہے اصل مقصد تو انسان کا خدا تعالیٰ تک پہنچنا ہے پس جب خدا تعالیٰ تک پہنچ گئے تو پھر شریعت پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

یہ ایک خطرناک مرض تھا جو لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ صوفی کہلانے والے شریعت کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ رہے تھے اور جب مسلمان ان سے پوچھتے کہ شریعت کے احکام پر کیوں عمل نہیں کرتے تو کہتے ہم خدا تعالیٰ تک پہنچ گئے ہیں۔ اب ہمیں شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی عقیدہ کا ایک آدمی ایک دفعہ میرے پاس بھی آیا تھا۔ میں جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ یہ فرمائیں کہ کوئی شخص کشتی میں بیٹھ کر دوسرے کنارے تک پہنچ جائے تو پھر کیا اسے کشتی میں ہی بیٹھ رہنا چاہئے یا کشتی سے اُتر جانا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب خدا مل جائے تو پھر شریعت پر چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ جونہی اس نے یہ بات کہی' میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے کہا:-

اگر دریا کا کنارہ ہو تو بے شک کشتی کو چھوڑ کر اتر جائے۔ لیکن اگر کنارہ ہی نظر نہ آئے تو پھر کہاں اُترے۔ ایسی صورت میں اگر اتر گیا تو غرق ہی ہو گا۔ یہ سنکر وہ بہت شرمندہ ہوا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب کوئی محدود شے تو نہیں کہ کہہ دیا جائے قرب حاصل ہو گیا ہے' اب شریعت کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شُبہ کا بھی خوب اچھی طرح ازالہ کیا اور بتایا کہ بے شک انسان کا اصل مقصد خدا تعالیٰ تک پہنچنا ہے شریعت پر عمل کرتے رہنا نہیں' مگر خدا تک پہنچنے کے اتنے مدارج ہیں جو ابدالآباد تک ختم نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی کہے کہ میں خدا تک پہنچ گیا' آگے کوئی درجہ نہیں ہے تو اس کے نزدیک گویا خدا تعالیٰ محدود ہو گا اور یہ عقیدہ کسی کا بھی نہیں ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کے قرب کے مدارج ختم نہیں ہو سکتے تو ان مدارج کو جس ذریعہ (شریعت) سے حاصل کیا جاتا ہے اسے بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔

(۳) تیسرا شبہ یہ پیدا ہو رہا تھا کہ بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال جزو شریعت ہیں۔ اس وجہ سے اگر کوئی مولوی

کسی کا پاجامہ ٹخنے سے نیچے دیکھتا تو جھٹ کہہ دیتا کہ یہ کافر ہے۔ کھانے کے بعد کسی کو ہاتھ دھوتے دیکھا تو کہہ دیا کافر ہے کیونکہ یہ رسول کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتا ہے۔ حالانکہ بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سالن میں مسالے نہ پڑتے تھے۔ زیتون کے تیل سے روٹی کھا لیتے تھے۔ اور یہ تیل بالوں کو بھی ملا جاتا تھا۔ اس لئے کھانے کے بعد منہ پر مل لیتے۔ اب سالن میں ہلدی اور کئی قسم کے مسالے پڑتے ہیں مگر اب بھی کئی مولوی منہ پر ہاتھ ملنے کو سنت قرار دینے والے' مسالے سے بھرے ہوئے ہاتھ منہ پر مل لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر تم زیتون کے تیل سے کھانا کھاؤ تو بے شک ہاتھ کھانے کے بعد منہ پر مل لو۔ اور اس کے لئے ہم بھی تیار ہیں۔ مگر تم سالن میں جب تک مسالہ ہلدی اور مرچ نہ ہو' کھاتے ہی نہیں' پھر ان مسالوں کو کون منہ پر ملے۔ ایک دفعہ میں نے ایک مولوی صاحب کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد جب ہاتھ دھونے کیلئے چلپچی آئی تو انہوں نے بڑی حقارت سے اسے پرے ہٹا کر کہا یہ سنت کے خلاف ہے میں ہاتھ نہیں دھوؤں گا۔ اور سالن سے بھرے ہوئے ہاتھ منہ پر مل لئے۔ درحقیقت یہ سنت کے خلاف نہیں۔ حدیث میں صاف آتا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھوئے اور بعد میں بھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غلطی کا ازالہ یوں فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کئی قسم کے ہیں۔ ایک وہ اعمال ہیں جو آپ ہمیشہ کرتے اور جن کے کرنے کا آپ نے دوسروں کو بھی حکم دیا اور فرمایا اس طرح کیا کرو۔ ان کا کرنا واجب ہے (۲) وہ اعمال جو عام طور پر آپؐ کرتے اور دوسروں کو کرنے کی نصیحت بھی کرتے' یہ سنن ہیں۔ (۳) وہ اعمال جو آپ کرتے اور دوسروں کو فرماتے کہ کر لیا کرو تو اچھے ہیں یہ مستحب ہیں (۴) وہ اعمال جنہیں آپ مختلف طور پر ادا کرتے ان کا سب طریقوں سے کرنا جائز ہے (۵) ایک وہ اعمال ہیں جو کھانے پینے کے متعلق تھے ان میں نہ آپ دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے اور نہ کوئی ہدایت دیتے۔ آپ ان میں عرب کے رواج پر عمل کرتے۔ ان احکام میں ہر ملک کا انسان اپنے ملک کے رواج پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ لائی گئی جو آپ نے نہ کھائی۔ اس پر پوچھا گیا کہ اس کا کھانا حرام ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں حرام نہیں۔ مگر ہمارے ہاں لوگ اسے کھاتے نہیں۔ اسلئے میں بھی اسے نہیں

کھاتا۔ ۲۸

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جن امور میں شریعت ساکت ہو اور رسول کریم ﷺ کا حکم ثابت نہ ہو۔ انہیں حتی الوسع ملک کے دستور اور رواج کے مطابق کر لینا چاہئے تاکہ خواہ مخواہ لوگوں میں نفرت نہ پیدا ہو۔ ایسے امور سنت نہیں کہلاتے۔ جوں جوں ملک کے حالات کے ماتحت لوگ ان میں تبدیلی کرتے جائیں' اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۴) چوتھی غلطی یہ لگ رہی تھی۔ کہ بعض لوگوں کے نزدیک شریعت صرف کلام الٰہی تک محدود تھی۔ نبی کا شریعت سے کوئی تعلق نہ سمجھا جاتا تھا جیسا کہ چکڑالوی کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق بتایا کہ شریعت کے دو حصے ہیں۔ (۱) ایک اصولی حصہ ہے جس پر دینی' اخلاقی' تمدنی' سیاسی کاموں کا مدار ہے۔ (۲) دوسرا حصہ جزئی تشریحات اور علمی تفصیلات کا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ نبیوں کے ذریعہ کراتا ہے تاکہ نبیوں سے بھی مخلوق کو تعلق پیدا ہو۔ اور وہ لوگوں کے لئے اسوہ بنیں۔ پس شریعت میں نبی کی تشریحات بھی شامل ہیں۔

عبادات کے متعلق اصلاح

(۹) نواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادات کی اصلاح کا کیا ہے اس کے متعلق لوگوں کو (۱) اول تو یہ وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ عبادت صرف دل سے تعلق رکھتی ہے جسم کو اس سے تعلق نہیں۔ چنانچہ قریباً بیس سال ہوئے ہیں کہ علی گڑھ میں ایک شخص نے لیکچر دیا۔ جس میں بیان کیا کہ اب چونکہ زمانہ ترقی کر گیا ہے اس لئے پہلے زمانہ کا طریق عبادت اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔ اب صرف اتنا کافی ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھنا چاہے تو بیٹھے بیٹھے ذرا میز پر سر جھکا کر خدا کو یاد کر لے۔ روزہ اس طرح رکھا جا سکتا ہے کہ پیٹ بھر کے نہ کھائے۔ چند بسکٹ ایک آدھ چائے کی پیالی پی لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ عبادات کا تعلق روح سے ہے اور روح کا تعلق جسم سے ہے۔ اگر جسم کو عبادت میں نہ لگائیں گے تو قلبی خشوع نہ پیدا ہو گا۔ پس جسمانی عبادت کو فضول سمجھنا نہایت غلط طریق اور مہلک راہ ہے اور اصول عبادت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسا خیال پیدا ہوتا ہے۔

(۲) دوسری غلطی لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ نماز میں دعا کرنا بھول گئے تھے۔ سُنّیوں میں تو نماز میں دعا کرنا گویا کفر سمجھا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد ہاتھ

اٹھا کر دعا کرنی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جب اس بات کا ذکر آتا تو آپ ہنستے اور فرماتے۔ ان لوگوں کی تو ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کے دربار میں جائے مگر وہاں چپ چاپ کھڑا رہ کر واپس آ جائے۔ اور جب دربار سے باہر آ جائے تو کہے حضور مجھے یہ کچھ دلایا جائے وہ کچھ دلایا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ دعا نماز میں کرنی چاہئے اور اپنی زبان میں بھی کرنی چاہئے تاکہ جوش پیدا ہو۔

(۳) بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ظاہری عبادت کافی ہے۔ ہاتھ میں تسبیح پکڑ لی اور بیٹھ گئے۔ ان لوگوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ میں نے ایک کتاب دیکھی ہے جس میں لکھا تھا۔ اگر کوئی فلاں دعا پڑھ لے تو سارے صلحاء کی نیکیاں اسے مل جائیں گی۔ اور سب گناہگاروں کے برابر گناہ اگر اس نے کئے ہوں تو وہ بخشے جائیں گے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہو انہیں روزانہ نمازیں پڑھنے کی کیا ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔ یہ جسم تو گھوڑا ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ تم نے گھوڑے کو پکڑ لیا اور سوار کو چھوڑ دیا۔ ظاہری عبادتیں تو روحانی پاکیزگی کا ذریعہ ہیں اس لئے قلبی پاکیزگی پیدا کرو جو اصل مقصود ہے۔

فقہ کی اصلاح

دسواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ فقہ کی اصلاح کی جس میں سخت خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور اس قدر اختلاف ہو رہا تھا کہ حد نہ رہی تھی آپ نے اس کے متعلق زریں اصول باندھا اور فرمایا شریعت کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر ہے۔

(۱) قرآن کریم (۲) سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۳) احادیث جو قرآن کریم اور سنت اور عقل کے خلاف نہ ہوں (۴) **تَفَقُّهٌ فِی الدِّین** (۵) اختلاف طبائع و حالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے سنت اور حدیث کو الگ الگ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ سنت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل ہے جس پر آپؐ قائم ہوئے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دی۔ اور حدیث وہ قول ہے جو آپؐ نے بیان کیا۔

اب دیکھو ان پانچ اصول سے آپ نے کیسی اصلاح کر دی ہے۔ سب سے اول درجہ پر آپ نے قرآن کریم کو رکھا کہ وہ خدا کا کلام ہے مفصل ہے مکمل ہے اس میں نہ کوئی تبدیلی ہو

گی نہ ہوئی ہے' نہ کوئی تبدیلی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ ایسے کلام سے بڑھ کر کونسی بات معتبر ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد سنّت ہے کہ صرف قول سے اس کا تعلق نہیں بلکہ عمل سے ہے اور عمل بھی وہ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کیا کرتے تھے اور متواتر کرتے تھے۔ ہزاروں لوگ اسے دیکھتے تھے اور اس کی نقل کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ ایک یا دو یا تین کی گواہی ہو کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہتے سنا بلکہ ہزاروں آدمیوں کا عمل کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کرتے دیکھ کر آپ کی اتباع میں ایسا کام شروع کیا۔ اس سنّت میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ اور یہ حدیث سے جو چند افراد کی شہادت ہوتی ہے بہت افضل ہے۔ اس کے بعد آپ نے حدیث کو رکھا۔ لیکن ان کے متعلق یہ شرط لگائی کہ صرف راویوں کی پرکھ ان کی صداقت کی علامت نہیں بلکہ ان کا قرآن کریم' سنت اور قانون قدرت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ حدیث کے بعد **تَفَقُّه فِی الدِّیْن** کا مرتبہ رکھا کہ عقل کو استعمال کر کے جو مسائل میں ترقی ہوتی ہے اس کے لئے بھی رستہ کھلا رہے۔ پھر پانچویں بنیاد فقہ کی آپ نے مختلف حالات اور مزاجوں کو مقرر کیا اور اسے شریعت اسلامیہ کا ضروری جزو قرار دیا۔ اس اصل سے بہت سے مختلف فیہ مسائل حل ہو گئے۔ مثلاً آمین کہنے پر جھگڑے ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کا دل اونچی آمین کہنے کو چاہے وہ اونچی کہے جس کا دل اونچی کہنا نہ چاہے نہ کہے۔ جب یہ دونوں باتیں ثابت ہیں تو ان پر جھگڑا فضول ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مزاج کے لوگوں کو مدنظر رکھ کر دونوں طرح عمل کیا ہے پس ہر اک شخص اپنے مزاج کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ دوسرے کے فعل سے سروکار نہیں رکھنا چاہئے۔ اسی طرح فرمایا کہ جس کا دل چاہے سینہ کے اوپر ہاتھ باندھے جس کا دل چاہے ناف کے نیچے باندھے۔ انگلی اٹھائے یا نہ اٹھانے کے متعلق **رَفْعِ یَدَیْن** کرنے یا نہ کرنے کے متعلق بھی یہی فرمایا کہ دونوں طرح جائز ہے۔ اسی طرح بہت سے جھگڑوں کو جو کسی شرعی اختلاف کی وجہ سے نہ تھے بلکہ دو جائز باتوں پر جھگڑنے کے سبب سے تھے اور شریعت کی اس حکمت کو نہ سمجھنے کے سبب سے تھے کہ اس میں مختلف طبائع کا لحاظ رکھ کر مختلف صورتوں کو بھی جائز رکھا جاتا ہے' آپ نے مٹا دیا۔

عورتوں کے حقوق کا قیام

گیارھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ عورتوں کے وہ حقوق قائم کئے جو آپ کی آمد سے پہلے

بالکل تلف کئے جاتے تھے مثلاً (۱) ورثہ نہیں ملتا تھا (۲) پردہ میں سختی کی جاتی تھی۔ چلنے پھرنے تک سے روکا جاتا تھا۔ (۳) علم سے محروم رکھا جاتا تھا۔ (۴) سلوک اور مد ارات سے محروم رکھا جاتا تھا (۵) نکاح کے متعلق اختیار نہیں دیا جاتا تھا۔ (۶) خلع اور طلاق میں سختی کی جاتی تھی۔ (۷) حقوق انسانیت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ آپ نے ان سب کی اصلاح کی۔

(۱) ورثہ سے محروم رکھنے کو آپ نے سختی سے روکا اور عورتوں کے اس حق کی تائید کی۔ چنانچہ ہمارے گھر میں کہ جہاں پشتوں سے عورتوں کا حق نہ دیا گیا تھا۔ ہماری بہنوں کو زمینداری کے پورے حقوق ملے اور وہ ہمارے ساتھ آپ کی جائیداد کی وارث ہوئیں۔

(۲) پردہ میں جو ظاہری سختی کی جاتی تھی' اسے دور کیا۔ آپ (حضرت اماں جان) کو ساتھ لے کر سیر کو جایا کرتے۔ ایک دفعہ آپ ایک سٹیشن پر (حضرت اماں جان) کو ساتھ لے کر ٹہل رہے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ کیونکہ اس زمانہ میں بڑی شرم کی بات اور عیب سمجھا جاتا تھا کہ عورت ساتھ ہو۔ وہ حضرت خلیفہ اول کے پاس آئے اور کہا۔ حضرت صاحب بیوی صاحبہ کو ساتھ لے کر ٹہل رہے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ آپ جا کر حضرت صاحب سے کہیں کہ بیوی صاحبہ کو بٹھا دیں۔ حضرت خلیفہ اول نے کہا۔ آپ خود جا کر کہیں میں تو نہیں کہہ سکتا۔ آخر آپ گئے اور پھر سر نیچے ڈالے ہوئے آئے۔ حضرت خلیفہ اول نے پوچھا حضرت صاحب نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگے۔ جب میں نے کہا لوگ اس طرح ٹہلنے پر اعتراض کریں گے۔ تو آپ ٹھہر گئے اور فرمایا لوگ کیا اعتراض کریں گے کیا یہ کہیں گے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ٹہل رہے تھے؟

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کی صحت کی درستی کے لئے ان کے چلنے پھرنے کی آزادی دی اور آج گو تعلیم یافتہ طبقہ اس تغیر کو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کام کو شروع کیا تھا اس وقت یہ بات حیرت انگیز تھی۔ آپ نے بتایا کہ پردہ کی غرض بعض کمزوریوں سے بچانا ہے اور اس کے علاوہ عورتوں کو مردوں سے آزادانہ میل جول رکھنے سے روکا گیا ہے نہ کہ عورتوں کو قید میں ڈالے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۳) تیسرے، عورتوں کو علم سے محروم رکھا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو علم پڑھانے پر خصوصیت سے زور دیا۔ چنانچہ آپ نے ایک دوست کو

خط میں لکھا کہ عورتوں کو عربی فارسی کے علاوہ کچھ انگریزی کی بھی تعلیم دینی چاہئے اور مختلف علوم سے بھی کچھ آگاہی ان کے لئے ضروری ہے۔

(۴) چوتھے،عورتوں کے متعلق سلوک اور مراعات الہامی طور پر آپ نے قائم کیں اور بتایا سلوک اور مراعات میں عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنی بیوی سے اونچی آواز میں بولے تو آپ کو الہام ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ:-

مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو کہہ دو کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ ۲۹

(۵) پانچویں،عورتوں کو نکاح کے متعلق اختیارات حاصل نہ تھے آپ نے اس حق کو قائم کیا اور عورت کی رضامندی نکاح کے لئے ضروری قرار دی۔ بلکہ عورت اور مرد کو نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنے کے ارشاد کو پھر جاری کیا اور بعض مرد و عورت کو آپ نے خود حکم دے کر ایک دوسرے کو دکھلا دیا۔

(۶) چھٹے، طلاق کا رواج اس قدر وسیع تھا کہ جس کی کوئی حد نہ تھی۔ آپ نے اسے روکا اور جس حد تک ممکن ہو تعلق نکاح کو قائم رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اس کے مقابلہ میں خلع کا دائرہ اس قدر تنگ کیا گیا تھا کہ عورت گُھٹ گُھٹ کر مرجاتی' اس کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا۔ آپ نے اس دروازہ کو کھولا اور عورت کے حقوق جو شریعت نے اسے دیئے ہیں پھر قائم کئے۔ اور بتایا کہ طلاق کے مقابل میں عورت کو خلع کا حق ہے۔ اور صرف اس قدر فرق ہے کہ عورت کے لئے شرط ہے کہ وہ قاضی کی معرفت علیحدگی حاصل کرے۔ ورنہ عورت کی تکلیف اور احساسات کا شریعت نے اس قدر پاس کیا ہے جس قدر مرد کے احساسات کا۔

(۷) ساتویں، عورت کے اہلی اور تمدنی حقوق کو بلند کیا۔ آپ کی بعثت سے پہلے عورت کے کوئی حقوق ہی نہیں تسلیم کئے جاتے تھے۔ مگر آپ نے عورتوں کے حقوق پر خاص زور دے کر اسے اس غلامی سے آزاد کیا۔ جس میں وہ باوجود اسلام کی تعلیم کے مبتلا کر دی گئی تھی۔

اصلاحِ اعمالِ انسانی

بارھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانی اعمال کی اصلاح کے متعلق کیا جس پر نجات کا مدار ہے۔ تمام دنیا اعمال انسانی کی اصلاح تو ایک اہم امر سمجھتی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ مسلمان بھی اس مسئلہ کے متعلق خاموش تھے۔ بلکہ دوسروں سے کچھ گری ہوئی حالت میں

تھے۔ آپ نے قرآن کریم سے ایسے گر بتائے کہ اس مسئلہ کو بالکل حل کر دیا اور راستہ کھول دیا جس کا مقابلہ اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔

مسیحیت نے ورثہ کے گناہ کی تھیوری پیش کر کے کہا تھا کہ چونکہ انسان کو گناہ ورثہ میں ملے ہیں' اس لئے کوئی انسان ان سے بچ نہیں سکتا۔ گویا اس کے نزدیک اصلاحِ نفس ناممکن تھی اور اس ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے اس نے کفارہ ایجاد کیا تھا۔

ہندو مذہب کا عقیدہ تھا کہ اصلاحِ نفس حساب صاف کرنے سے ہو سکتی ہے۔ جب حساب صاف ہو جائے گا تب نجات ہو گی۔ پر میشور انسان کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب رکھتا ہے اور ان کا مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ اگر بدیاں زیادہ ہوں تو مرنے کے بعد کسی اور جون میں ڈال کر دنیا میں بھیج دیتا ہے۔ اس طرح ہندو مذہب نے اصلاحِ نفس کو ناممکن بنا کر انسان کو تناسخ کے چکر میں ڈال دیا تھا۔

یہود اصلاحِ نفس کے سرے سے ہی منکر تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نبی بھی گناہگار ہو سکتا تھا اور ہوتا ہے۔ وہ مزے لے لے کر نبیوں کے گناہ گناتے تھے اور اس میں کوئی نقص نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک نجات کی صورت صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا پیارا قرار دے کر اس سے نجات کو وابستہ کر دے۔ گویا وہ نجات کو ایک تقدیری عمل سمجھتے تھے اور اپنی نجات پر اس لئے مطمئن تھے کہ وہ ابراہیم کی اولاد اور موسیٰ کی امت ہیں' نہ اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو اصلاحِ نفس کے ذریعہ سے حاصل کر چکے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی ملائکہ اور انبیاء تک کو گناہ میں ملوث کر کے یہود کی نقل میں اس مقصد کو فوت کر دیا تھا۔ اور یہ بات گھڑلی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سب مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔ اور سب بخشے جائیں گے اس سے بھی زیادہ غضب یہ ہو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اور بہت سے پیر ایسے بنا رکھے تھے اور وہ پیران سے کہتے تھے کہ کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہیں خود سیدھے جنت میں پہنچادیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب خیالات کی غلطی کو ثابت کیا اور نجات کے گر قرآن کریم سے پیش کئے اور ایک کامل اور مکمل اصل اصلاحِ نفس کے لئے جس پر نجات کا مدار ہے پیش کیا۔ آپ نے تسلیم کیا کہ ورثہ میں انسان کو عیب اور گناہ کا میلان ملتا ہے جس طرح نیکی کا میلان ملتا ہے۔ آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ نفسانی پاکیزگی کے لئے پچھلے

حساب کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے لیکن آپ نے انبیاء کے متعلق گناہ کی نسبت کو سختی سے ردّ کیا اور اس مسئلہ کو بھی ردّ کیا کہ انسان باوجود دیدہ و دانستہ شریعت کی مخالفت کرنے کے شفاعت سے حصہ لے سکتا ہے۔ یہ دونوں مسئلے یہود سے مسلمانوں نے لئے تھے اور اسلامی تعلیم کے مخالف تھے۔ آپ نے اس خیال کو بھی کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو بدکار بنایا اور کسی کو نیک، ردّ کیا۔ اور پہلی دو باتوں کو آپ نے اس اصلاح کے ساتھ تسلیم کیا (۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ ورثہ سے بھی اچھے اور برے اثر ملتے ہیں۔ (۲) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کھانے پینے اور آب و ہوا سے بھی بعض بعض خاص عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ مختلف ملکوں کی عادات سے ظاہر ہے۔ کشمیر کے لوگ بزدل ہوتے ہیں اور پٹھان خونخوار ہوتے ہیں۔ بنگالی بزدل ہوتے ہیں اور ان کی نسبت پنجابی بہادر ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنے متعلق پورا پورا اختیار رکھتا تو ہمیشہ یہی کیوں ہوتا کہ بنگالی مارتا نہیں۔ کشمیری دلیری اور جرأت کا کام نہیں کرتا اور پٹھان مرنے مارنے پر تیار رہتا ہے۔ اس طرح کے قومی عیوب بتاتے ہیں کہ کھانے پینے اور آب و ہوا کا بھی عادات میں دخل ہوتا ہے۔ پس ان خاص افعال کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کے سب لوگ اپنی مرضی سے خاص عیب یا خاص خوبیاں اختیار کر لیتے ہیں۔ (۳) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تربیت اور عقیدہ کا بھی انسان پر خاص اثر پڑتا رہتا ہے جیسے ہندو گائے کے ذبح کرنے پر جوش میں آ جاتا ہے وہ جانتا ہے کہ دوسرے کو مارنے پر پھانسی دیا جاؤں گا۔ مگر جب گائے کو ذبح ہوتے دیکھتا ہے تو قتل پر آمادہ ہو جاتا ہے' یہ عقیدہ کا اثر ہے۔ (۴) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس وقت انسان کوئی کام کرنے لگتا ہے اس وقت کے حالات کا بھی اس پر خاص اثر پڑتا ہے۔ ایک استاد روز لڑکوں سے سبق سنتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے مگر ایک دن اس کی بیوی سے لڑائی ہو جائے اور وہ گھر سے غصہ میں بھرا ہوا نکلے تو سبق سننے کے وقت ذرا سی غلطی کرنے پر سزا دے دے گا۔ پس ظاہر ہے کہ موجودہ حالات کا بھی انسان کے اعمال پر اثر پڑتا ہے۔

غرض بہت سے امور ہیں جو انسان کے اعمال پر اثر ڈالتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ صرف ورثہ ہی ایک چیز نہیں کہ جو انسان پر تاثیر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور اشیاء بھی ہیں اور جب یہ ثابت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر ورثہ کا گناہ کفارہ سے دور ہو سکتا ہے تو باقی گناہ کس طرح سے دور ہوں گے؟

پھر آپ نے بتایا کہ اصل میں سب اقوام کو یہ دھوکا لگ گیا ہے کہ انسان کی فطرت گناہگار ہے۔ کسی کو ورثہ کے گناہ کی تھیوری سے کسی کو پرانے کرم کی وجہ سے کسی کو خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۳۰ کی آیت سے کسی کو تقدیر ازلی کے خیال سے یہ وسوسہ پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ باوجود ورثہ تربیت وغیرہ کے اثرات کے انسانی فطرت نیکی پر پیدا کی گئی ہے۔ فطرت میں عیب سے **انقباض** اور نیکی کی رغبت رکھی گئی ہے۔ باقی سب زنگ ہوتے ہیں جو اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ بدکار لوگ بھی نیکیاں زیادہ کرتے ہیں۔ ایک آدمی جسے جھوٹا کہا جاتا ہے۔ اگر وہ کئی جھوٹ دن میں بولے گا تو ان سے کہیں زیادہ وہ سچ بولے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ سب بدیوں کی جڑھ یہ ہے کہ انسان کے دل میں پاکیزگی کی امید کو نکال دیا گیا ہے۔ اور اسے خود اس کی نظروں میں گرا دیا گیا ہے۔ انسان کو ازلی شقی کہہ کہہ کر ایسا ہی بنا دیا گیا ہے۔ کسی لڑکے کو یونہی جھوٹا کہنے لگ جاؤ، کچھ عرصہ کے بعد وہ سچ مچ جھوٹ بولنے لگ جائے گا۔ آپ نے بتایا کہ انسان کو حقیقتاً نیک بنایا گیا ہے بدی صرف زنگ ہے۔ جس دھات سے وہ بنا ہے وہ نیکی ہے۔ اسے اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہئے تاکہ اس میں دلیری پیدا ہو اور مایوسی دور ہو۔ اسے اس کے پاک مبدأ کی طرف توجہ دلاؤ۔ اس طرح وہ خود بخود نیکی کی طرف مائل ہوتا چلا جائے گا۔

(۲) دوسری دلیل دوسرے مذاہب کی تھیوریوں کے ردّ میں آپ نے یہ پیش کی کہ گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جو دیدہ و دانستہ ہو۔ جو دیدہ و دانستہ نہ ہو۔ بلکہ جبر سے ہو وہ اس حد تک کہ جبر ہو گناہ نہیں ہوتا۔ مثلاً بچہ کا ہاتھ پکڑ کر ماں کے منہ پر تھپڑ مارا جائے تو کیا ماں بچہ کو مارے گی؟ پس فرمایا کہ ورثہ کے گناہ سے اگر انسان بچ نہیں سکتا تو وہ گناہ نہیں۔ عادت کے گناہ سے اگر انسان بچ نہیں سکتا تو وہ گناہ نہیں۔ تعلیم و تربیت کا اگر اس پر ایسا اثر ہے کہ طبعی طور پر اس کا گناہ سے بچنا ناممکن ہے تو وہ گناہ نہیں اگر طبعی کمزوریاں ایسی ہیں کہ خواہ وہ کچھ کرے ان سے نکل نہیں سکتا تو وہ گناہ نہیں۔ پس اگر اس حد تک روک ہے کہ انسان اسے دور نہ کر سکے تو گناہ نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ انسان ان سے بچ سکتا ہے۔ اور اگر اس سے بچ سکتا ہے تو پھر طبعی ذرائع کو چھوڑ کر نئے طریقے جیسے کفارہ یا تناسخ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جس حد تک انسان مجبور ہے، اسی حد تک انسان کو معذور اور اس کی وجہ سے بے گناہ تسلیم

کرنا ہو گا اور اس حد تک اس کو سزا سے آزاد سمجھنا پڑے گا۔ پس پھر بھی کسی کفارہ یا تناسخ کی ضرورت نہ ہو گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر کہ گناہ وہ ہے جو جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے کیا جائے۔ گناہ کی تھیوری ہی بدل دی ہے اور اس وجہ سے قرآن کریم نے جزائے اعمال کے متعلق مندرجہ ذیل اصول کو مدنظر رکھا ہے۔

(۱) اول اس نے وزن پر خاص زور دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسانی اعمال کے متعلق یہ لحاظ رکھے گا کہ ان میں کہاں تک جبر یا اختیار کا دخل ہے

(۲) دوسرے اس نے اللہ تعالیٰ کے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ [۳۱] ہونے پر زور دیا ہے۔ یعنی اس نے حقیقی جزا سزا کو کسی اور کے سپرد نہیں کیا۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ اگر جزاو سزا اوروں کے سپرد ہوتی تو وہ انسانی اعمال کے پیچھے جو جبر کا حصہ ہے اس کا خیال نہ رکھ سکتے اور ان اعمال کے بدلہ میں انسان کو گنہگار قرار دے دیتے جن کے کرنے میں وہ گنہگار نہیں یا پورا گناہ گار نہیں۔ اور ان اعمال کے بدلہ میں اسے نیک قرار دے دیتے جن کے کرنے سے وہ نیک نہیں ہوتا یا پورا نیک نہیں ہوتا۔

لطیفہ:۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسانی اعمال کے پیچھے اس قدر علتیں اور روکیں ہیں کہ ان کو سمجھے بغیر جزا سزا ظلم بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یَوْمِ الدِّیْنِ کے متعلق اپنے لئے مالکیّت کا لفظ پسند فرمایا ہے۔ کیونکہ مالکیّت حقیقی تصرّف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ملکیّت ہو سکتی ہے۔ مٰلِک منتخب ہو سکتا ہے مگر مالک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ مَالِکُمْ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ فرما کر اس امر پر زور دیا ہے کہ اس جگہ تمہاری مالکیّت پر اس قدر زور دینا مقصود نہیں جس قدر کہ اس دن کی مالکیّت پر زور دینا مقصود ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اس وقت کا وہ مالک ہو گا۔

اور کہ اس وقت کا وہ مالک ہے۔ کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔

ایک اور آیت بھی اس مضمون کی تائید کرنے والی ہے اور وہ یہ ہے وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ [۳۲] یعنی اگر خدا تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال پر سزا دینے لگے تو کوئی جانور بھی زمین پر نہ چھوڑے۔ یعنی انسان سے بہت سے فعل ایسے صادر ہوتے رہتے ہیں جو خلاف شریعت ہوتے ہیں یا جن میں

نفسانیت وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ہر عمل کی سزا نہیں دیتا بلکہ صرف ان اعمال کی سزا دیتا ہے جن میں انسان کا اختیار ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں **مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّةٍ** فرمایا ہے۔ یعنی اگر انسان کے تمام اعمال پر سزا دیتا تو دنیا پر کوئی جانور بھی نہ چھوڑتا۔ اس پر طبعاً سوال ہوتا ہے کہ جزا انسانوں کے اعمال کی دیتا تو جانور کیوں تباہ ہو جاتے؟ انسانوں کے مقدروں پر دوّاب کو کیوں سزا ملتی۔ مفسرین اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ چونکہ جانور انسان کے فائدہ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے جب انسان تباہ کر دیئے جاتے تو جانور بھی تباہ کر دیئے جاتے۔ یہ جواب بھی گو صحیح ہو مگر میرے نزدیک اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ انسان کے اعمال کا کچھ حصہ اسی طرح جبری ہوتا ہے جس طرح حیوانوں گائے بھینسوں کا ہوتا ہے۔ پس اگر انسان کے سارے اعمال کی سزا دی جائے تو لازماً گائے بیلوں **وَغَیْرَھُمَا** کو بھی سزا دینی ہوتی اور سب حیوانات کو تباہ کر دیا جاتا۔ مگر ہم ایسا نہیں کرتے۔ اور جانوروں کو ان کے اعمال کی اس وجہ سے کہ وہ اختیاری نہیں ہوتے سزا نہیں دیتے۔ اسی طرح ہم انسان کے سب اعمال کی بھی سزا نہیں دیتے' صرف ان اعمال کی سزا دیتے ہیں جو اختیاری ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جس حد تک انسان پر جبر ہوتا ہے اس کا کیا علاج ہے؟ یا وہ بے علاج ہے؟ اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دیا ہے کہ اس کا بھی علاج ہے اور وہ یہ کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے خوف اور محبت کے جذبات بہ شدت پیدا کئے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے وہ اپنی مجبوریوں پر بھی غالب آ جاتا ہے۔ مثلاً بھیڑیئے میں کاٹنے کا مادہ ہے' مگر محبت اسے مجبور کرتی ہے کہ اپنے بچے کو نہ کاٹے۔ گویا محبت اس کے کاٹنے کے جذبہ پر غالب آ جاتی ہے۔ یا جہاں آگ جل رہی ہو وہاں چیتا حملہ نہیں کرتا کیونکہ اسے اپنی جان کا خوف ہوتا ہے۔ چیتے کا طبعی تقاضا ہے کہ حملہ کرے مگر خوف اس کے اس تقاضا پر غالب آ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان کی محبت اور خوف کے جذبات کو ابھار دیا جائے تو وہ ان بد تاثیرات پر جو اس کے اعمال پر تصرف کر رہی ہوتی ہیں' غالب آ جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنے فضل سے سامان پیدا کئے ہیں۔ اور وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں اپنے مأمور بھیجتا رہتا ہے اور ان کے ذریعہ سے اپنی قدرت اور اپنے جلال اور اپنے فضل اور اپنی رحمت کی شان دکھاتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگوں میں کامل محبت اور کامل خوف پیدا کیا جائے۔ اس طرح جو

لوگ محبت کا جذبہ زیادہ رکھتے ہیں وہ ان نشانات اور تجلّیات سے محبت میں ترقی کر کے برے اثرات پر غالب آ جاتے ہیں اور پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جو لوگ خوف کے جذبہ سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلیات سے متأثر ہو کر خوف کی وجہ سے برے اثرات پر غالب آ جاتے ہیں اور اس ذریعہ سے بیرونی اثرات جو ایک رنگ کا جبر کر رہے تھے' ان سے انسان محفوظ کر دیا جاتا ہے اور اصلاح نفس میں اسے مدد مل جاتی ہے۔

نیکی اور بدی کی تعریف

اس جگہ طبعاً یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ نیکی بدی کیا چیز ہیں۔ اور اصلاح نفس کس چیز کا نام ہے؟ اس سوال کا جواب مختلف لوگوں نے مختلف طرح دیا ہے (۱) بعض نے کہا ہے کہ جو چیز بُری معلوم ہو وہ بُری ہے اور جو اچھی معلوم ہو وہ اچھی ہے۔ یہ جواب چونکہ انسان کے خیال سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے ماتحت ہمیں کہنا پڑے گا کہ ایک ہندو جو بت پرستی کو اچھا سمجھتا ہے' اگر وہ بت پرستی کرے تو اس کا یہ فعل اچھا سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہی فعل ایک مسلمان کرے تو بُرا سمجھا جائے گا۔ (۲) بعض نے کہا ہے کہ جو بات بحیثیت مجموعی اس شخص کے لئے یا دنیا کے لئے اچھی ہو وہ اچھی ہے اور جو اس لحاظ سے بُری ہو' وہ بُری ہے۔

پہلی رائے پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اگر کوئی قتل کو اچھا سمجھ کر کسی کو قتل کرے تو کیا اس کا یہ فعل نیکی ہو گا؟ یا کوئی شخص زنا کرتا ہے اور اسے جائز سمجھتا ہے تو کیا یہ اس کے لئے نیکی ہو جائے گا؟ دوسری رائے پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز بحیثیت مجموعی اچھی ہو یا بُری ہو' وہ نیکی یا بدی ہو گی۔ اس حیثیت مجموعی کے معلوم کرنے کا ذریعہ کیا ہو گا؟ انسان تو اپنے گرد و پیش کی حالت کو بھی پوری طرح نہیں سمجھتا۔ وہ بحیثیت مجموعی کا پتہ کس طرح لگائے گا؟ اور جس چیز کا علم ہی انسان کو نہیں ہو سکتا اس سے وہ فائدہ کس طرح اٹھا سکتا ہے؟

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ جس بات سے فطرت انسانی انقباض کرے' وہ بُرائی ہے اور جس بات کی طرف رغبت کرے وہ نیکی ہے۔ ساری قومیں جھوٹ سے نفرت کرتی ہیں یہ بُرائی ہے۔ اور ساری قومیں صدقہ اور خیرات سے رغبت رکھتی ہیں یہ نیکی ہے۔ مگر اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ انسانی رغبت یا نفرت کا تو عادات سے بھی تعلق ہوتا ہے۔ ایک ہندو گائے کے ذبح کرنے سے سخت نفرت کے جذبات سے بھر جاتا ہے اور مسلمان اس فعل کی طرف

رغبت رکھتا ہے۔ پس اس اصل کے ماتحت نیکی اور بدی کا فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

(۴) چوتھا خیال یہ ہے کہ جس امر سے شریعت روکے وہ بدی ہے اور جس کی اجازت دے وہ نیکی ہے۔ اس خیال پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اگر یہ بات درست ہے تو معلوم ہوا کہ شریعت بدی سے روکتی نہیں بلکہ بدی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ اگر بدی کا الگ وجود کوئی نہیں شریعت کے روکنے کی وجہ سے وہ بدی بنی ہے تو گویا شریعت اس لئے نہیں آتی کہ بدی سے روکے بلکہ چونکہ اس نے بعض افعال سے روکا ہے اس لئے وہ بدی بن گئے۔ پس گویا بدی کا دروازہ شریعت نے کھولا ہے۔ مسیحی مذہب کا یہی نقطہ نگاہ ہے اور اسی وجہ سے اس نے شریعت کو لعنت قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ نیکی اور بدی کے متعلق لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان سب باتوں کو تسلیم کیا ہے اور سب کو رد بھی کیا ہے۔ گویا ان سب خیالات میں صداقت کا ایک ایک حصہ بیان ہوا ہے۔ آپ کی تعلیم پر غور کر کے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ یہ خیال بھی درست ہے کہ نیکی اور بدی کا بہت کچھ تعلق نیت کے ساتھ بھی ہے۔ مگر صرف نیت پر ہی نیکی اور بدی کا انحصار نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شخص جو کسی اچھے فعل کو خلاف شریعت سمجھتا ہے مگر کر لیتا ہے تو خواہ وہ فعل اچھا ہو پھر بھی گناہگار ہو گا۔ کیونکہ اس نے اسے گناہ سمجھ کر کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک برے کام کو انسان اچھا سمجھ لیتا ہے۔ تو بعض اوقات وہ بدی کا مرتکب نہیں قرار دیا جاتا۔ مثلاً غلطی سے اپنے ایک دوست کو ایسا کھانا کھلا دے جو اس کے لئے مضر ہو تو گو یہ فعل برا ہو مگر اس کی طرف بدی نہیں بلکہ نیکی ہی منسوب ہو گی کہ اس نے دوسرے کے فائدہ کو ہی مدنظر رکھ کر وہ فعل کیا تھا۔

دوسری تعریف بھی ایک حد تک درست ہے کیونکہ نیکیاں یا بدیاں اپنے اُس نتیجہ کے مطابق نیکیاں یا بدیاں بنتی ہیں جو بہ حیثیت مجموعی پیدا ہوتا ہے مگر یہ تعریف ہمیں فائدہ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ علاوہ اس کے کہ اس دنیا کے فوائد یا نقصانات کو بھی انسان پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ بعض کاموں کے نتائج یا بعض حصے نتائج کے اگلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا اندازہ کرنا انسان کیلئے ناممکن ہے۔ پس اس تعریف کی مدد سے ہم خود کسی کام کو نیک اور کسی کام کو بد نہیں قرار دے سکتے۔

تیسری تعریف کہ جس سے انسانی فطرت انقباض کرے وہ برائی ہے اور جس کی طرف رغبت کرے وہ نیکی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے لیکن فطرت انسانی دوسرے اثرات یعنی عادات وغیرہ کے ماتحت کبھی خراب بھی ہو جاتی ہے۔ پس دقّت یہ ہے کہ فطرت کا صحیح میلان کس طرح معلوم ہو اور جب تک صحیح میلان فطرت کا معلوم نہ ہو سکے۔ اس تعریف سے بھی ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

چوتھی تعریف کہ جس سے شریعت روکے وہ برائی ہے اور جس کا حکم دے وہ نیکی ہے یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ اگر شریعت نے حکم یا نہی کو کسی حکمت پر مبنی کرنا ہے تو اس حکم یا نہی کو اسی حکمت کی طرف منسوب کرنا چاہئے۔ اور یوں کہنا چاہئے کہ فلاں سبب جس میں پایا جائے وہ بدی ہے۔ اور فلاں سبب پایا جائے تو وہ نیکی ہے۔ اور اگر شریعت نے بلا کسی حکمت کے بعض امور کا حکم دینا ہے اور بعض سے روکنا ہے تو شریعت کا یہ فعل لغو اور عبث ہو جاتا ہے۔

پس یہ سب تعریفیں نامکمل ہیں اور صداقت ان کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیکی بدی کی یہ تعریف کی ہے کہ حُسنِ ازلی اور حُسنِ اکمل یعنی خدا تعالیٰ کی صفات کی موافقت پیدا کرنا نیکی ہے۔ اور اس کی مخالفت یعنی خدا تعالیٰ کی صفات کے خلاف کوئی کام کرنا برائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ یہودیت' مسیحیت اور اسلام کا اتفاق ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے یعنی ظلّی طور پر اپنی صفات کی چادر اسے پہنائی ہے اور اپنی صفات کا مظہر بننے کی اسے طاقت دی ہے اور اس غرض سے اسے پیدا کیا ہے۔ گویا انسان تصویر ہے خدا کی اور خدا تعالیٰ اصل ہے۔ اب یہ امر ظاہر ہے تصویر کا حسن یہی ہوتا ہے کہ وہ اصل کے مطابق ہو۔ اور اس کا عیب یہ ہے کہ اصل کے خلاف ہو۔ پس انسان جو عمل ایسا کرتا ہے جو اسے خدا کی صفات کے موافق بناتا ہے وہ نیکی ہے اور جو عمل ایسا کرتا ہے جو اسے خدا تعالیٰ کی صفات سے دور لے جاتا ہے وہ بدی ہے۔ کیونکہ اس طرح گویا وہ تصویر کو بگاڑ رہا ہوتا ہے۔ جس کے بنانے کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے جو انسان اور خدا میں ہے اصل منبع اور مبدأ خدا ہے۔ پس جب انسان درحقیقت ایک تصویر ہے تو لازماً اصل کی مطابقت حسن ہے اور اس کی مخالفت عیب یا دوسرے لفظوں میں مطابقت نیکی ہے اور مخالفت بدی۔ اب چونکہ انسان کو مخفی طاقتوں کے ساتھ جو محدود دائرہ میں خدا تعالیٰ کی صفات سے مشابہ ہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے فطرتاً اسے خدا تعالیٰ

کی صفات کے مطابق اعمال سے مناسبت اور مخالف اعمال سے نفرت ہونی چاہئے۔ پس فطری انقباض اور رغبت نیکی بدی کا پتہ دینے والے ہونگے۔ اسی طرح اصل کے خلاف چلنے سے نقصان پہنچتا ہے اور مطابق چلنے سے حسن پیدا ہوتا ہے اس لئے لازماً نیکی کا نتیجہ نیک اور لازماً بدیوں کے نتائج بد نکلتے ہیں۔ تیسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ بالارادہ ہستی ہے اور انسان کا کمال بھی یہی ہے کہ بالارادہ کام کرے۔ پس گناہ اور نیکی ایک حد تک ارادہ سے بھی وابستہ ہو جائیں گے۔

لیکن باوجود ان تینوں باتوں کو تسلیم کر لینے کے اس امر کے تسلیم کرنے میں بھی کوئی عُذر نہیں ہو سکتا کہ انسان بیرونی اثرات اور عادات کی وجہ سے اپنی عقل اور فطرت کے صحیح استعمال سے بسا اوقات معذور ہو جاتا ہے پس ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تحریری ہدایات بھی ملیں کہ اِس اِس عمل سے حسن ازلی کے مطابقت پیدا ہوگی اور اِس اِس طرح اس کی مخالفت ہوگی اور اسی کا نام شریعت ہے۔ پس اس لحاظ سے شریعت کے مطابق کام کرنے کا نام نیکی ہوا۔ اور اس کے خلاف کام کرنے کا نام بدی۔ پس صحیح تعریف نیکی اور بدی کی وہی ہے جو اوپر کی چاروں باتوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اشارہ کرتی ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے سامان

تیرھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے سامان پیدا کئے جو یہ ہیں:۔

(۱) تبلیغ اسلام۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کام کو جو مدتوں سے بند ہو چکا تھا۔ جاری کیا آپ کی بعثت سے پہلے مسلمان تبلیغ اسلام کے کام سے بالکل غافل ہو چکے تھے۔ اپنے اردگرد کے لوگوں میں کبھی کوئی مسلمان تبلیغ کر لیتا تو کر لیتا لیکن تبلیغ کو باقاعدہ کام کے طور پر کرنا مسلمانوں کے ذہن میں ہی نہ تھا۔ اور مسیحی ممالک میں تبلیغ کو تو بالکل ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ آپ نے ۱۸۷۰ء کے قریب سے اس کام کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے خطوط کے ذریعہ سے اور پھر ایک اشتہار کے ذریعہ سے یورپ کے لوگوں کو اسلام کے مقابلہ کی دعوت دی اور بتایا کہ اسلام اپنے محاسن میں تمام مذاہب سے بڑھ کر ہے' اگر کسی مذہب میں ہمت ہے تو اس کا مقابلہ کرے۔ مسٹر الیگزنڈر وِب مشہور امریکن

مسلم مشنری آپ ہی کی تحریرات سے مسلمان ہوئے اور ہندوستان آپ ہی کی ملاقات کو آئے تھے کہ دوسرے مسلمانوں نے انہیں ورغلا دیا کہ مرزا صاحب کے ملنے سے باقی مسلمان ناراض ہو جائیں گے اور آپ کے کام میں مدد نہ دیں گے امریکہ واپس جا کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور مرتے دم تک اپنے اس فعل پر مختلف خطوط کے ذریعہ ندامت کا اظہار کرتے رہے۔ اور آج دنیا کے مختلف ملکوں میں اسلام کی تبلیغ کیلئے آپ کی جماعت کی طرف سے مشن کام کر رہے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ آج ساٹھ سال کے بعد صرف آپ ہی کی جماعت اس کام کو کر رہی ہے۔

(۲) دوسرے آپ نے جہاد کی صحیح تعلیم دی۔ لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ آپ نے جہاد سے روکا ہے۔ حالانکہ آپ نے جہاد سے کبھی بھی نہیں روکا بلکہ اس پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے حقیقتِ جہاد کو بھلا دیا ہے اور وہ صرف تلوار چلانے کا نام جہاد سمجھتے رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور کفر دنیا میں موجود رہا۔ گو دنیا میں اسلام کی حکومت ہو گئی، مگر دلوں میں کفر باقی رہا اور ان ملکوں کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی جن کو اسلامی حکومتوں سے جنگ کا موقع نہ پیش آیا۔ اور اس وجہ سے وہاں کفار کی حکومت رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر اپنی جگہ پر پھر طاقت پکڑ تا گیا اور بعض قوموں کی سیاسی برتری کے ساتھ ہی اسلام کو نقصان پہنچنے لگا۔ اگر مسلمان جہاد کی یہ تعریف جانتے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے کہ جہاد ہر اس فعل کا نام ہے جسے انسان نیکی اور تقویٰ کے قیام کیلئے کرتا ہے اور وہ جس طرح تلوار سے ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ نفس سے بھی ہوتا ہے اور اسی طرح تبلیغ سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے اور ہر ایک قسم کے جہاد کا الگ الگ موقع ہے تو آج کا روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔ اگر اس تعریف کو سمجھتے تو اسلام کے ظاہری غلبہ کے موقع پر جہاد کے حکم کو ختم نہ سمجھتے۔ بلکہ انہیں خیال رہتا کہ صرف ایک قسم کا جہاد ختم ہوا۔ دوسری اقسام کے جہاد ابھی باقی ہیں اور تبلیغ کا جہاد شروع کرنے کا زیادہ موقع ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ صرف اسلام اسلامی ممالک میں پھیل جاتا بلکہ یورپ بھی آج مسلمان ہوتا اور اس کی ترقی کے ساتھ اسلام کو زوال نہ آتا۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کے مواقع بتائے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تلوار کا جہاد منع ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں شریعت کے مطابق کس جہاد کا موقع ہے اور خود بڑے زور

سے اس جہاد کو شروع کر دیا ہے اور تمام دنیا میں تبلیغ جاری کر دی ہے۔ اب بھی اگر مسلمان اس جہاد کو شروع کر دیں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان سمجھیں تو آپ کا یہ فعل ایک زبردست خدمت اسلامی ہے اور اس کے ذریعہ سے آپ نے نہ صرف آئندہ کے لئے مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے اور ان کے لئے ترقی کا راستہ کھول دیا ہے بلکہ مسلمانوں کو ایک بہت بڑے گناہ سے بھی بچالیا ہے کیونکہ گو مسلمان یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ زمانہ تلوار کے جہاد کا ہے لیکن اسے فرض سمجھ کر بھی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور اس طرح اس احساس گناہ کی وجہ سے گناہگار بن رہے تھے۔ اب آپ کی تشریح کو جوں جوں مسلمان تسلیم کرتے جائیں گے ان کے دلوں پر سے احساس گناہ کا زنگ اترتا جائے گا۔ اور وہ محسوس کریں گے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے غداری نہیں کر رہے تھے۔ صرف نقص یہ تھا کہ صحیح جہاد کا انہیں علم نہ تھا۔

(۳) تیسرا کام اسلام کی ترقی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا ہے کہ آپ نے جدید علم کلام پیدا کیا ہے۔ آپ کی بعثت سے پہلے مذاہب کی جنگ گوریلا وار[لے] سے مشابہ تھی۔ ہر اک شخص اٹھ کر کسی ایک بات کو لیکر اعتراض شروع کر دیتا اور اپنے خصم کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ آپ نے اس نقص کو دور کیا اور اعلان کیا کہ مذاہب کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے ہتھیاروں سے کام لیں۔ نہ کسی کا نقص نکالنے سے مذہب کی سچائی ثابت ہو سکتی ہے۔ اور نہ صرف ایک مسئلہ پر بحث کر کے کسی مذہب کی حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے۔ مذاہب کی پرکھ مندرجہ ذیل اصول پر ہونی چاہئے۔

(الف) مشاہدہ پر۔ یعنی ہر مذہب جس غرض کے لئے کھڑا ہے اس کا ثبوت دے۔ یعنی یہ ثابت کرے کہ اس پر چل کر وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ جس مقصد کو پورا کرنا اس مذہب کا کام ہے۔ مثلاً اگر خدا کا قرب اس مذہب کی غرض ہے اور ہر مذہب کی یہی غرض ہوتی ہے تو اسے چاہئے کہ ثابت کرے کہ اس مذہب پر چلنے والوں کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ تو اس کے قیام کی غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے اور وہ ایک جسم بے روح ہو جاتا ہے۔ چند اخلاقی یا تمدنی تعلیمیں یا فلسفیانہ اصول کسی مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں کیونکہ ان باتوں کو تو انسان دوسرے مذاہب سے چرا کر یا خود غور و فکر کر کے بِلا اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے الہام ہو پیش کر سکتا ہے۔ مذہب کا

لے WAR

اصل ثبوت تو صرف یہی ہو سکتا ہے کہ جس مقصد کے لئے مذہب کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب' وہ انسان کو حاصل ہو جائے۔ اور اسی دنیا میں حاصل ہو جائے کیونکہ اگر کوئی مذہب یہ کہے کہ وہ مرنے کے بعد نجات دلائے گا تو اس دعویٰ پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور اس کی صداقت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں اس دعویٰ میں سب مذاہب شریک ہیں۔ کوئی مذہب نہیں جو کہتا ہو کہ میرے ذریعہ سے نجات نہیں مل سکتی۔ گو نجات کے مفہوم میں ان کو اختلاف ہو۔ پس بعد مرنے کے نجات دلانے کا دعویٰ نہ قابل قبول ہے اور نہ مذہب کی غرض کو پورا کرتا ہے۔ جو چیز قابل قبول ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ مذہب مشاہدہ کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس نے انسانوں کی ایک جماعت کو جو اس پر چلتی تھی' خدا سے ملا دیا۔ اور اس کا قرب حاصل کرا دیا یہ دلیل ایسی زبردست ہے کہ کوئی شخص اس کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی بات ہے کہ اس دلیل کے ساتھ تمام فضول مذہبی بحثوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور نیز سوائے اسلام کے کوئی مذہب میدان میں باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ دعویٰ صرف اسلام کا ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح فیوض ظاہر کرتا ہے جس طرح کہ پہلے زمانوں میں فیوض ظاہر ہوتے تھے اور لوگوں کو خدا سے ملا دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قرب کے آثار کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ چنانچہ آپ کے اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ غیر مذاہب کے پیروؤں کو آپ کا اور آپ کی جماعت کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا اور وہ ہر میدان میں شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

(ب) دوسرا اصل مذہبی مباحثات کے متعلق آپ نے یہ پیش کیا کہ دعویٰ اور دلیل دونوں الہامی کتاب میں موجود ہیں۔ آپ نے مذہبی دنیا کی توجہ اس طرف پھیری کہ اس زمانہ میں یہ ایک عجیب رواج ہو رہا ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات کو اپنے مذہب کی طرف منسوب کر کے اس پر بحث کرنے لگ جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کی فتح اس کے مذہب کی فتح ہوتی ہے اور نہ اس کی شکست اس کے مذہب کی شکست ہوتی ہے اور اس طرح لوگ فضول وقت مذہبی بحثوں میں ضائع کرتے رہتے ہیں' فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پس چاہئے کہ مذہبی بحثوں کے وقت اس امر کا التزام رکھا جائے کہ جس دعویٰ کو پیش کیا جائے اس کے متعلق پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ اس مذہب کی آسمانی کتاب میں موجود ہے اور پھر دلیل بھی اسی کتاب میں سے دی جائے کیونکہ خدا کا کلام بے دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں مزید وضاحت کے لئے تائیدی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ کے اس اصل نے مذہبی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اور وہ

کندہ ناتراش ۳۳ واعظ جو یونہی اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ علوم جدیدہ کے فریفتہ جو اپنی قوم کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے جدید علوم کو اپنا مذہبی مسئلہ بنا کر پیش کرنے کے عادی تھے دونوں سخت گھبرا گئے۔ آریہ جو روح و مادہ کے انادی ہونے کے متعلق خاص فخر کیا کرتا تھا اس سوال پر آکر بالکل ساکت ہو گیا۔ کیونکہ وید میں دلیل تو الگ رہی اس مسئلہ کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ آج تک آریہ سماج کے علماء مشغول ہیں مگر وید کی کوئی شُرتی نہیں نکال سکے جس سے ان کا یہ مطلب حل ہو۔ یہی حال دوسرے مذاہب کا ہوا۔ وہ اس اصل پر اپنے مذاہب کو سچا ثابت نہ کر سکے۔ لیکن اسلام کا ہر ایک دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم سے نکال کر دکھا دیا اور ہر دعویٰ کے دلائل بھی اسی میں سے نکال کر بتا دیئے۔ اس حربہ کو آج تک احمدی جماعت کے مبلغ کامیابی کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں اور ہر میدان سے کامیاب آتے ہیں۔

(ج) تیسرا اصل آپ نے یہ پیش کیا کہ ہر مذہب جو عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے صرف یہ ضروری نہیں کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ اس کے اندر اچھی تعلیم ہے بلکہ عالمگیر مذہب کیلئے ضروری ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کی تعلیم ہر فطرت کو تسلی دینے والی اور ضرورتِ حقّہ کو پورا کرنے والی ہے۔ اگر خالی اچھی تعلیم کسی مذہب کی صداقت کا ثبوت سمجھی جائے تو بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کہہ دے کہ میں ایک جدید مذہب لایا ہوں اور میری تعلیم یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولو' ظلم نہ کرو' غداری نہ کرو۔ اب یہ تعلیم تو یقیناً اچھی ہے لیکن ہر ضرورت کو پورا کرنے والی نہیں۔ اور اس وجہ سے باوجود اچھی ہونے کے مذہب کی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ مذاہب موجودہ میں سے مسیحیت کی مثال لی جا سکتی ہے مسیحیوں کے نزدیک مسیح کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی وہ تعلیم ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اگر تیرے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے پھیر دے۔ اب بظاہر یہ تعلیم بڑی خوبصورت نظر آتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو فطرت صحیحہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ فطرت نیکی کا قیام چاہتی ہے اور اس تعلیم سے بدی بڑھتی ہے۔ اسی طرح ہر ضرورت کو بھی یہ نہیں پورا کرتی۔ کیونکہ انسان کو دشمن کا مقابلہ کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور اس ضرورت کا اس میں علاج نہیں۔ اس اصل کے ماتحت بھی دشمنان اسلام کو ایک بہت بڑی شکست نصیب ہوئی اور اسلام کو بہت سے میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا۔

(۴) چوتھا کام اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے آپ نے یہ کیا کہ سکھ جو ہندوستان کی پُرجوش اور کام کرنے والی قوم ہے۔ اسے اسلام کے قریب کر دیا۔ آپ نے تاریخ سے اور سکھوں کی مذہبی کتب سے ثابت کر کے دکھا دیا کہ باوا نانک علیہ الرحمتہ سکھ مذہب کے بانی درحقیقت مسلمان تھے۔ اور قرآن کریم پر ایمان رکھتے تھے۔ اور نمازیں پڑھتے تھے اور حج کو بھی گئے تھے اور مسلمان پیروں سے عموماً اور باوا فرید علیہ الرحمتہ سے خصوصاً بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ یہ تحقیق ایسی زبردست اور یقینی ہے کہ مذہبی طور پر اس نے سکھوں کے دلوں میں بہت ہیجان پیدا کر دیا ہے اور اگر مسلمان اس تحقیق کی عظمت کو سمجھ کر آپ کا ہاتھ بٹاتے تو لاکھوں سکھ اس وقت تک مسلمان ہو جاتے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے الٹی مخالفت کی اور اس کے عظیم الشان اثرات کے راستہ میں روکیں ڈالیں۔ مگر پھر بھی تسلی سے کہا جا سکتا ہے کہ ایک طبقہ کے اندر اس تحقیق کا گہرا اثر نمایاں ہے۔ اور جلد یا بدیر یہ تحریک عظیم الشان نتائج پیدا کرنے کا موجب ہو گی۔

(۵) پانچواں کام آپ نے اسلام کی ترقی کے لئے یہ کیا کہ عربی کو اُمّ الْاَلْسِنَہ ثابت کیا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنی چاہئے۔ مسلمانوں نے ابھی تک اس بات کی عظمت کو سمجھا نہیں۔ بلکہ ابھی تک وہ اس کے برخلاف عربی کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تجویز میں مسلمانوں کے اتحادِ کامل کے لئے بنیاد رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ تک خود بخود وہ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کی مذہبی اہمیت کے ساتھ اس کی سیاسی اور تمدنی عظمت کو بھی محسوس کریں گے۔

(۶) چھٹا کام اسلام کی ترقی کے لئے آپ نے یہ کیا ہے کہ ایک عظیم الشان ذخیرہ اسلام کے تائیدی دلائل کا جمع کر دیا ہے۔ اور آپ کی کتب کی مدد سے اب ہر مذہب اور ہر ملت کے لوگوں کا اور علوم جدیدہ کے غلط استعمال سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

(۷) ساتواں کام آپ نے یہ کیا ہے کہ امید جو مسلمان کے دلوں سے بالکل مفقود ہو گئی تھی اسے پھر پیدا کر دیا ہے۔ آپ کے ظہور سے پہلے مسلمان بالکل ناامید ہو چکے تھے۔ اور سمجھے بیٹھے تھے کہ اسلام دب گیا آپ نے آکر بہ زور اعلان کیا کہ اسلام کو میرے ذریعہ ترقی ہو گی۔

اور اسلام پہلے، دلائل کے ذریعہ سے دنیا پر غالب ہو گا۔ اور آخر تبلیغ کے ذریعہ سے طاقتور قومیں اس میں شامل ہو کر اس کی سیاسی طاقت کو بڑھا دیں گی۔ اس طرح آپ نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو باندھا۔ جھکی ہوئی کمر کو سہارا دیا۔ بیٹھے ہوئے حوصلوں کو کھڑا کیا۔ اور مُردہ امنگوں کو زندہ کیا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ جب امید اور زبردست امید پیدا ہو جائے تو سب کچھ کرا لیتی ہے۔ امید ہی سے قربانی و ایثار پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ مسلمانوں میں امید نہ تھی، قربانی بھی نہ رہی تھی۔ احمدیوں میں امید ہے، اس لئے قربانی بھی ہے۔ پھر قربانی بھی مرنے مارنے کی قربانی نہیں بلکہ سامانِ بقا کو پورا کرنے والی قربانی۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہر ذرہ کو اس طرح ملایا جائے کہ اس سے ترقی کے سامان پیدا ہوں۔

امن عامہ کا قیام

چودھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا کہ آپ نے امن عامہ کو قائم کیا ہے اس غرض کیلئے آپ نے چند تدبیریں کی ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور ہو گا۔

(۱) دنیا میں سب سے بڑی وجہ فساد کی یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور دوسرے مذاہب کی خوبیوں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حالانکہ عقلِ سلیم اسے تسلیم نہیں کر سکتی کہ خدا تعالیٰ جو رب العالمین ہے وہ کسی ایک قوم کو ہدایت کیلئے چُن لے گا اور باقی سب کو چھوڑ دے گا۔ مگر عقل سلیم خواہ کچھ کہے دنیا میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سخت فسادات پیدا ہو رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ ہر قوم میں نبی گذرے ہیں۔ اور اس طرح ایک عظیم الشان وجہِ فساد کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے پہلے بھی بعض بزرگوں نے بعض قوموں کے بزرگوں کو یا بعض قوموں نے بعض غیر قومی بزرگوں کو خدا رسیدہ تسلیم کیا ہوا تھا جیسے مثلاً ایک دہلوی بزرگ نے فرمایا کہ کرشن نبی تھے۔ اسی طرح توریت میں ایوب علیہ السلام کو نبی کر کے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مسئلہ کو اور رنگ میں پیش کیا ہے۔ آپ کے دعویٰ سے پہلے مختلف اقوام کے ہدایت کے متعلق مختلف خیالات تھے۔ (۱) بعض کا خیال تھا کہ باقی سب لوگ جہنمی ہیں صرف ان کی قوم نجات یافتہ ہے۔ یہود اور زردشتی اس خیال کے تھے (۲) بعض کا خیال تھا کہ ان کے بانی کی آمد سے پہلے تو دنیا کی ہدایت کا دروازہ بند تھا مگر اس

کے آنے کے بعد کھلا ہے۔ مسیحی لوگ اس خیال کے پابند ہیں۔ ان کے نزدیک ہدایت عام حضرت مسیح ناصری کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔

(۴) بعض کا خیال تھا کہ ہدایت قومی تو ان کی قوم سے ہی مخصوص ہے لیکن خاص خاص افراد دوسری اقوام کے بھی نجات حاصل کر سکتے ہیں اگر وہ خاص زور لگائیں۔ سناتن دھرمی لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ وہ اصل اور سچا مذہب تو اپنا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی اور مذہب کا خدا تعالیٰ کی محبت کو دل میں پیدا کر کے مجاہدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم کرتا ہے گویا اسے ایک ایسا راستہ مل جاتا ہے جو گو سیدھا تو منزل مقصود تک نہیں پہنچتا لیکن چکر کھا کر پہنچ جاتا ہے۔

مسلمانوں کے خیالات بھی باوجود اس کے کہ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو حل کر دیا تھا' غیر معیّن تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ذریعہ دنیا کی ہدایت ہوتی رہی ہے۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے نبی صرف اپنی قوم کی طرف تھے۔ نیز وہ ایک طرف تو یہ تسلیم کرتے تھے کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے سوا باقی اقوام کو غیر کتابی سمجھتے تھے اور ان کے نبیوں کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔

اس قسم کے خیالات کا نتیجہ یہ تھا کہ مختلف اقوام میں صلح ناممکن ہو رہی تھی۔ اور ضِدّ میں آکر سب لوگ کہنے لگ گئے تھے کہ صرف ہم ہی نجات پائیں گے' ہمارے سوا اور کوئی نہیں نجات پا سکتا' ہمارا ہی مذہب اصل مذہب ہے۔ گویا ہر قوم خدا تعالیٰ کی اکلوتی بیٹی بننا اور اسی حیثیت میں رہنا چاہتی تھی۔ اور دوسری قوموں سے اگر کسی رعایت کے لئے تیار تھی تو صرف اس قدر کہ تم بھی ہمارے مذہب میں داخل ہو کر کچھ حصہ خدا کے فضل کا پا سکتے ہو۔ اور دوسری اقوام کی قدیم قومی روایات اور احساسات کو مٹا کر ایک نئی راہ پر لانا چاہتی تھی۔ یعنی یہ امید رکھتی تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کو جھوٹا اور فریبی قرار دیتے ہوئے اور اپنی ساری پرانی تاریخ کا ورق پھاڑتے ہوئے ان میں آکر مل جائے اور نئے سرے سے ایک پنیری کی طرح جو نئی زمین میں لگائی جاتی ہے بڑھنا شروع کرے۔ چونکہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے کرنے کے لئے انسان بہت ہی کم تیار ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسا انسان جس کے آباء شاندار کام کر چکے ہوں اور علوم کے حامل رہ چکے ہوں اس لئے قومی جنگ جاری تھی اور صلح کی کوئی صورت نہ نکلتی تھی۔

بعض لوگ دوسروں کے بزرگوں کو بھی تسلیم کر لیتے تھے لیکن ایک مُصلح یا مُعلّم کی صورت میں نہیں بلکہ ایک بزرگ یا پہلوان کی صورت میں جس نے اپنے زور سے ترقی کی۔ اور وہ اسی کی ذات تک محدود رہی۔آگے اس کے ذریعہ سے دنیا پر ہدایت قائم نہیں ہوئی۔ اور اس کا نور دنیا میں پھیلا نہیں۔ لوگوں نے اس کی دعاؤں سے یا اس کے معجزات و کرامات سے فائدہ اٹھایا لیکن وہ کوئی تعلیم اور اصلاحی سکیم لے کر نہیں آیا جیسے کہ ایوبؑ اور کرشنؑ کی نسبت یہود اور بعض مسلمانوں کا خیال تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر اس نقطہ نگاہ ہی کو بالکل بدل دیا۔ آپ نے بعض کی شخصیت کو دیکھ کر بزرگ تسلیم نہیں کیا۔ اور حضرت مظہر جان جاناں کی طرح یہ نہیں کہا کہ کرشن جھوٹا نہیں معلوم ہوتا وہ ضرور خدا کا بزرگ ہوگا۔ یا جیسے سناتنی کہتے ہیں کہ محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک بزرگ تھے مگر ہمارا ہی مذہب سچا ہے۔ بلکہ آپ نے اس مسئلہ پر اصولی طور پر نگاہ ڈالی۔ (۱) آپ نے سورج اور اس کی شعاعوں پانیوں اور ان کے اثرات' ہوا اور اس کی تاثیرات کو دیکھا اور کہا جس خدا نے سب انسانوں کو ان چیزوں میں مشترک کیا ہے وہ ہدایت میں فرق نہیں کر سکتا۔ اور اصولاً سب قوموں میں انبیاء کا ہونا لازمی قرار دیا۔ پس آپ نے مثلاً حضرت کرشن کو اس لئے نبی تسلیم نہ کیا کہ وہ ایک بزرگ ہستی تھے جنہوں نے ایک تاریکی میں پڑے ہوئے ملک میں سے استثنائی طور پر انفرادی جدوجہد کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کر لیا' بلکہ اس لئے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسا خدا ممکن نہ تھا کہ ہندو قوم کو بُھلا دے اور اس کی ہدایت کا کوئی سامان نہ کرے۔

(۲) دوسرے آپ نے انسان کی فطرت اور اس کی قوتوں کو دیکھا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ یہ جَو ہر ضائع ہونے والا نہیں' خدا نے اسے ضرور قبول کیا ہوگا۔ اور اس کو روشن کرنے کے اسباب پیدا کئے ہوں گے۔

غرض آپ کا نقطہ نگاہ بالکل جُداگانہ تھا اور آپ کا فیصلہ چند شاندار ہستیوں سے مرعوب ہونے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور انسانی قابلیت اور پاکیزگی کی بنا پر تھا۔

اب صلح کا رستہ کھل گیا۔ کوئی ہندو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میں اسلام قبول کروں تو مجھے اپنے بزرگوں کو بُرا سمجھنا پڑے گا۔ کیونکہ اسلام ان کو بھی بزرگ قرار دیتا ہے۔ اور اسلام قبول کرنے میں وہ انہی کی تقلید کرے گا۔ یہی حال زردشتیوں کنفیوشس کے تابعین اور

یہودیوں اور مسیحیوں کا ہوگا۔ پس ہر مذہب کا انسان اپنے آبائی فخر کو سلامت رکھتے ہوئے اسلام میں داخل ہو سکتا ہے اور اگر داخل نہ ہو تو صلح میں ضرور شامل ہو سکتا ہے۔

اس اصل کے ذریعہ سے آپ نے بندہ کی خدا تعالیٰ سے بھی صلح کرا دی۔ کیونکہ پہلے مختلف اقوام کے لوگوں کے دل اس حیرت میں تھے کہ یہ کس طرح ہوا کہ خدا تعالیٰ میرا خدا نہیں ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نسبت ان جذبات محبت کو پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ جو ان کے دل میں پیدا ہونے چاہئیں تھے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ نے اس زنگ کو بھی دور کرا دیا۔ اور جہاں اپنی تعلیم کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے درمیان صلح کا راستہ کھولا، وہاں خدا اور بندہ کے درمیان صلح کا بھی راستہ کھولا۔

(۲) دوسرا ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امن عامہ کے قیام کے لئے یہ اختیار کیا کہ آپ نے تجویز پیش کی کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ دوسرے مذاہب پر اعتراض نہ کریں کیونکہ دوسرے مذاہب کے عیب بیان کرنے سے اپنے مذہب کی سچائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں میں بغض و کینہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصل امن عامہ کے قیام کے لئے آپ نے یہ تجویز کیا کہ ملک کی ترقی فساد اور بغاوت کے ذریعہ سے نہ چاہی جائے، بلکہ امن اور صلح کے ساتھ گورنمنٹ سے تعاون کر کے اس کے لئے کوشش کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت جب کہ عدم تعاون کا زور ہے لوگ اس اصل کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تعاون سے جس سہولت سے حقوق مل سکتے ہیں عدم تعاون سے نہیں مل سکتے۔ مگر تعاون سے مراد خوشامد نہیں۔ خوشامد اور شے ہے اور تعاون اور شے ہے۔ جسے ہر شخص جو غور و فکر کا مادہ رکھتا ہو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ خوشامد اور عہدوں کی لالچ ملک کو تباہ کرتی ہے اور غلامی کو دائمی بناتی ہے مگر تعاون آزادی کی طرف لے جاتا ہے۔

معاد کے متعلق خیالات کی اصلاح

پندرھواں کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا ہے کہ جزا اور سزا اور باقی اُمورِ معاد کے متعلق ایک ایسی صحیح تحقیق پیش کی ہے کہ جس سے بڑھ کر اور عقل کو تسلی دینے والی تحقیق ذہن میں نہیں آسکتی۔ آپ سے پہلے تمام مذاہب میں جزا و سزا اور معاد کے متعلق

عجیب قسم کے خیالات پھیلے تھے۔ جن کی وجہ سے دنیا اس عقیدہ سے ہی متنفر ہو رہی تھی اور معاد کو وہم قرار دے رہی تھی۔ مختلف مذاہب کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔

(۱) بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ نجات عدم احساس کا نام ہے۔ جیسے بدھوں کا خیال تھا۔

(۲) بعض کا خیال تھا کہ نجات خدا میں فنا ہو جانے کا نام ہے۔ سناتنی ہندو اسی عقیدہ کے ہیں۔

(۳) بعض کا خیال تھا کہ نجات مادہ سے روح کے تعلق کے کامل طور پر آزاد ہو جانے کا نام ہے۔ جینیوں کا یہی خیال تھا۔

(۴) بعض کا خیال تھا۔ نجات عارضی اور وقتی ہے۔ جیسے آریہ۔

(۵) بعض کا خیال تھا کہ جزاو سزا صرف روحانی ہیں۔ جیسے سپر چولسٹ۔

(۶) بعض کا خیال تھا کہ جزاو سزا خالص جسمانی ہیں جیسے یہود اور مسلمان۔

(۷) بعض کا خیال تھا کہ دوزخ جسمانی اور جنت روحانی ہے جیسے مسیحی۔

(۸) بعض کا خیال تھا۔ دوزخ کی سزائیں جنت کی نعماء کی طرح ہمیشہ کے لئے ہیں۔

مگر یہ سب امر نہایت ہی قابل اعتراض اور شک و شُبہ پیدا کرنے والے تھے۔ اگر عدمِ احساس نجات ہے تو خدا نے انسان کو پیدا ہی کیوں کیا؟ پیدا تو اس چیز کیلئے کیا جاتا ہے جو آئندہ حاصل ہونے والی ہو۔ عدم احساس تو پیدائش سے پہلے موجود تھا۔ پھر پیدا کرنے کی کیا غرض تھی؟ اسی طرح نجات اگر خدا میں فنا ہو جانے کا نام ہے تو یہ انعام کیا ہوا۔ فناء خواہ الگ ہو خواہ خدا میں ایک کامل الاحساس ہستی کے لئے انعام نہیں کہلا سکتی۔ اگر مادہ سے نجات کا نام نجات ہے تو ارواح پہلے ہی مادہ میں کیوں ڈالی گئیں۔ اس نئے دور کے اجراء کی غرض کیا تھی۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ جزاو سزا صرف روحانی ہیں۔ کیونکہ انسان کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ باہر کے اثرات کو جذب کرنا چاہتا ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ باہر سے بھی لذت حاصل کرے اور اندر سے بھی۔ اسی طرح وہ جو کہتے ہیں کہ جزاو سزا صرف جسمانی ہیں وہ بھی غلط کہتے ہیں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انسان کو ابدی زندگی اس لئے دی جائے گی کہ وہ کھائے اور پیئے اور ایک بے مقصد زندگی بسر کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب خیالات کی تردید کی ہے اور

مندرجہ ذیل حقیقت پیش کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

انسان کا مقصد نجات نہیں بلکہ فلاح ہے۔ نجات کے معنی تو بچ جانے کے ہیں اور بچ جانا عدم پر دلالت کرتا ہے۔ اور عدم مقصد نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کا مقصد فلاح ہے اور فلاح کچھ کھونے کا نام نہیں بلکہ کچھ حاصل کرنے کا نام ہے۔ اور جب حاصل کرنے کا نام فلاح ہے تو ضروری ہے کہ اگلے جہان میں احساس اور زیادہ تیز ہوں تاکہ زیادہ حاصل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ [۳۴] کہ اس دنیا میں تو چار بنیادی صفات کا ظہور انسان کے لئے ہوتا ہے۔ اگلے جہان میں عرش آٹھ بنیادی صفات کا ظہور ہو گا۔ یعنی اس دنیا کی نسبت اگلے جہان کی تجلیات بہت بڑھ کر ہوں گی۔

پھر آپ نے ثابت کیا کہ نجات یا فلاح دائمی ہیں اور بتایا کہ عمل کا بدلہ کام کرنے والے کی نیت اور جزا دینے والے کی طاقت پر ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھ کر اور انسان کی فطرت پر نظر کرتے ہوئے جو فنا سے بھاگتی اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتی ہے' فلاح کی ہمیشگی ثابت ہے۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی بتایا کہ جزا و سزا نہ صرف روحانی ہیں اور نہ صرف جسمانی۔ اور نہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک جسمانی ہو اور دوسری روحانی۔ کیونکہ اعمال نیک و بد کا مرکز ایک ہی ہوتا ہے۔ اس جزا و سزا کا طریق بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ ہاں چونکہ کامل احساس اندرونی و بیرونی جذبات کے ملنے سے ہوتا ہے اس لئے جزا و سزا اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کی حسّوں پر مشتمل ہونگی اور چونکہ وہ عالم زیادہ تیز احساسات کی جگہ ہو گا' اس لئے وہاں کی جزا و سزا کے مطابق اور ضروریات کے لحاظ سے ایک نیا جسم انسان کو ملے گا۔ وہاں بے شک یہ جسم نہ ہو گا۔ مگر ہو گا ضرور۔ یعنی نیا جسم دیا جائے گا۔ جو یہاں کے لحاظ سے روحانی ہو گا۔ یہاں کی عبادتیں وہاں مختلف اشیاء کی شکل میں نظر آئیں گی۔ ان کی ظاہری شکل تو ہو گی مگر باوجود اس کے وہ اس دنیا کے مادہ سے نہ بنی ہوئی ہوں گی۔ گویا وہاں پھل اور دودھ اور شہد اور مکانات تو ہوں گے مگر اس دنیا کی قسم کے نہیں بلکہ ایک لطیف مادہ کے جنہیں لطافت کے سبب سے اس دنیا کے مقابلہ میں روحانی جسم والا کہا جا سکتا ہے۔

لیکن سزا و جزا کے متعلق آپ نے ایک فرق بیان فرمایا اور وہ یہ کہ دوزخ کی سزا تو

ابدی نہیں ہوگی۔ کیونکہ انسانی فطرت نیک ہے' اس لئے ضروری ہے کہ اسے نیکی کی طرف لے جایا جائے۔ دوسرے انسان خدا کے قرب کے حصول کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر وہ دوزخ میں پڑا رہے تو قرب کہاں حاصل کر سکتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔ اگر دوزخ کی سزا ہمیشہ کے لئے ہو تو رحمت کس طرح وسیع ہوگی۔ اس صورت میں تو اس کا غضب بھی ویسا ہی وسیع ہوا۔ جیسے کہ اس کی رحمت۔ پھر اگر ہمیشہ کے لئے دوزخ ہو تو انسان جو نیکیاں دنیا میں کرتا ہے' ان کا بدلہ ضائع ہو جائے گا حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے' کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جائے گی۔ پس عذاب دائمی نہیں ہوگا' فلاح دائمی ہوگی۔

غرض آپ نے دوزخ کے عذاب کے محدود ہونے کو علمی طور پر کھول کر گویا کائناتِ عالَم کی حقیقت کو کھول دیا ہے۔ ایک طرف انسانی فطرت کی کمزوری کو دیکھ کر جب ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو تربیت کرنے والوں کی تربیت کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ کھانے پینے کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ اردگرد کے حالات کا اثر پڑتا ہے۔ اور کاموں میں پھنسے ہونے کی وجہ سے عبادت کے لئے قلیل وقت ملتا ہے۔ دوسری طرف باوجود ان مجبوریوں کے عام طور پر انسان کی قرب الٰہی کے لئے جدوجہد کو دیکھ کر جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ مشغول ہیں تیسری طرف یہ دیکھ کر کہ بنی نوع انسان تک خدا کے کلام کے پہنچانے میں ہزاروں قسم کی دقّتیں ہیں اور بہت ہی کم لوگوں کو ایک وقت میں حقیقی طور پر کلام پہنچتا ہے۔ چوتھے رحمتِ الٰہی کی وسعت کو دیکھ کر' پانچویں انسانی طاقتوں کی حد بندیوں کو دیکھ کر ہر ایک صحیح فطرت' جزاو سزا کی نسبت مختلف مذاہب کی پیش کردہ تعلیم سے رکتی تھی۔ مگر آپ نے ایسی تعلیم پیش کردی کہ ان سب اعتراضات کا ازالہ ہوگیا۔ اور اب ہمیں نظر آتا ہے۔ کہ انسانی زندگی ترقیاتِ لامحدود کی ایک کڑی ہے۔ اور اس میں غیر محدود ترقیات کی گنجائش ہے۔ اس کی روکیں عارضی ہیں ورنہ بحیثیت مجموعی وہ آگے کی طرف جارہی ہے اور جائے گی۔ خود دوزخ بھی ایک عالَمِ ترقی ہے۔ اور آلائشوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی جگہ ہے۔ گویا وہ ایک حمام ہے۔ جن کو آلائشیں لگی ہوں گی انہیں خدا کہے گا۔ اس حمام میں پہلے نہاؤ اور پھر میرے پاس آؤ۔

اب آخر میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی کہے کہ یہ سب باتیں تو قرآن کریم میں موجود تھیں۔ مرزا صاحب نے کیا کیا؟ ان باتوں کے اظہار سے ان کا کام کس طرح ثابت ہوگیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم یہ کہے کہ ساری باتیں تو خدا نے بتائیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کام کیا۔ تو کیا یہی نہیں کہو گے کہ بے شک جو کچھ آپ نے دنیا کو بتایا' وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ملا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اور کسی کو کیوں نہ ملا؟ آخر کوئی نیکی اور تقویٰ اور قربانی کا درجہ آپ کو ایسا حاصل تھا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا۔ تب ہی تو خدا تعالیٰ نے آپ پر یہ علوم کھولے پس وہ کام آپ ہی کا کام کہلائے گا۔ یہی جواب ہم دیں گے کہ بے شک یہ سب کچھ قرآن کریم میں موجود تھا۔ مگر باوجود اس کے لوگوں کو نظر نہ آتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے ان علوم کو کسی پر نہ کھولا مگر آپ پر ان علوم کو کھول دیا۔ اور ایسے وقت میں کھولا جب کہ دنیا قرآن کریم کی طرف سے روگردان ہو رہی تھی۔ پس گو یہ علوم قرآن کریم میں موجود تھے مگر دنیا کی نظر سے چونکہ پوشیدہ تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کے کھولنے کے لئے آپ کو چُنا' اس لئے وہ آپ ہی کا کام کہلائیں گے۔

میں نے آپ کے کاموں کی تعداد پندرہ بتائی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کا کام یہیں تک ختم ہو گیا ہے۔ آپ کا کام اس سے بہت وسیع ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے یہ اصولی ہے۔ اور اس میں بھی انتخاب سے کام لیا گیا ہے۔ اگر آپ کے سب کاموں کو تفصیل سے لکھا جائے تو ہزاروں کی تعداد سے بھی بڑھ جائیں گے۔ اور میرے خیال میں اگر کوئی شخص انہیں کتاب کی صورت میں جمع کر دے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ منشاء پورا ہو سکتا ہے جو آپ نے براہین احمدیہ میں ظاہر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب میں اسلام کی تین سو خوبیاں بیان کی جائیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ وعدہ اپنی مختلف کتابوں کے ذریعہ پورا کر دیا۔ آپ نے اپنی کتابوں میں تین سَو سے بھی زائد خوبیاں بیان فرما دی ہیں۔ اور میں یہ ثابت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۱؎ اٰل عمران: ۱۹۱ تا ۱۹۶

۲؎ متی باب ۵ آیت ۳۹۔ برٹش فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء

۳؎ وڈ John Wood (۱۸۱۱ء۔۱۸۷۱ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کی بحریات کا رُکن۔ برنز (Burns) کا اسسٹنٹ' افغانستان کے سفر میں وادیٔ کابل کے متعلق رپورٹ تیار کی اور

دریائے جیحوں کا سرچشمہ دریافت کیا۔ سندھ میں وفات پائی۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۵ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۴؎ فاکس Fox Charles James (۱۷۴۹ء-۱۸۰۶ء) انگریز سیاستدان، مدبّر، اور فصیح البیان مقرر جسے ہندوستان کے لوگوں سے بہت ہمدردی تھی۔ چنانچہ اس نے ۱۷۷۳ء میں پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا جسے Fox India Bill کہتے ہیں اس بل کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی سے چھین کر سات ارکان کی ایک کمیٹی کے سپرد کی جائے۔
انقلابی جنگ میں اس نے برطانوی پارلیمنٹ میں امریکی نوآبادیات کی حمایت کی۔ یہ بڑا ہی ملنسار اور ہمدرد آدمی تھا۔ ۱۸۰۶ء میں اسے خارجہ امور کا سیکرٹری بنایا گیا۔ (پاپولر تاریخ انگلستان صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء + اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵؎ تذکرہ صفحہ ۱۰۴ ایڈیشن چہارم ۱۹۷۷ء براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۵۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴

۶؎ تذکرہ صفحہ ۱۰۴۔ ایڈیشن چہارم

۷؎ لارڈ ریڈنگ (۱۸۶۰ء-۱۹۳۵ء) انگریز سیاستدان و وکیل۔ ۱۹۱۰ء میں اٹارنی جنرل مقرر ہوا۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۱ء تک انگلستان کا لارڈ چیف جسٹس اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۶ء تک ہندوستان کا وائسرائے رہا۔ لارڈ ریڈنگ سخت گیر وائسرائے ثابت ہوا۔ اگرچہ اس نے وقتی طور پر سیاسی شورش کو دبا دیا مگر اس سے حکومت کو کوئی مستقل اطمینان نصیب نہ ہوا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۶۹۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۸؎ تذکرہ صفحہ ۳۱۲۔ ایڈیشن چہارم

۹؎ الشوریٰ: ۱۲

۱۰؎ آئنسٹائن Einstein (۱۸۷۹ء-۱۹۵۵ء) نظری طبیعیات کا ماہر۔ جرمن نژاد۔ بعد میں امریکی شہریت اختیار کی۔ جرمنی میں تعلیم مکمل کر کے سوئٹزرلینڈ میں ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک پیٹنٹ دواؤں کی آزمائش گاہ میں کام کیا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے قدریوں (Energy Quenta) کے مماثل، نور کے قدریوں یا ضیائیوں (Photons) کا

مفروضہ وضع کیا اور ان کی بناء پر ضیاء کیمیائی اثر کی توجیہہ کی۔ اس نے نوعی حرارت کا قدریاتی نظریہ بھی پیش کیا۔ ۱۹۰۵ء میں ہی اس نے نظریہ اضافیت پیش کیا۔ اس نظریے کی بناء پر جوہری توانائی دریافت ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے تجاذب اور جمود کی معاونت ثابت کی۔ ۱۹۱۳ء میں برلن میں پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں اس نے نظری طبیعیات بالخصوص ضیاء کیمیائی اثر کی تحقیق کی بناء پر نوبل انعام حاصل کیا۔ ۱۹۳۹ء میں صدر روز ویلٹ کو بغرض غور ایٹم بم بنانے کی تجویز بھی اسی نے پیش کی۔ موسیقی کا بھی دلدادہ تھا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۳۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

[۱۱] الصّٰفّٰت: ۱۱ [۱۲] الکٰفرون: ۷

[۱۳] ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۵۸ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۲۵۸

[۱۴] التکویر: ۵ [۱۵] التکویر: ۶ [۱۶] التکویر: ۷

[۱۷] التکویر: ۸ [۱۸] الشمس: ۲، ۳ [۱۹] النمل: ۴۵

[۲۰] الطارق: ۱۲، ۱۳ [۲۱] الطارق: ۱۴، ۱۵ [۲۲] یٰسٓ: ۴۱

[۲۳] النّسآء: ۲ [۲۴] الفرقان: ۶۰ [۲۵] البقرۃ: ۱۰۳

[۲۶] بخاری کتاب الوضوء باب التسمیۃ علی کل حال و عند الوقاع

[۲۷] متی باب ۱۲ آیت ۳۹، ۴۰ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۴۳ء

[۲۸] بخاری کتاب الذبائح والصید باب الضب

[۲۹] تذکرہ صفحہ ۳۹۶۔ ایڈیشن چہارم

[۳۰] النّسآء: ۲۹ [۳۱] الفاتحۃ: ۴ [۳۲] فاطر: ۴۶

[۳۳] کندہ ناتراش: احمق۔ نالائق

[۳۴] الحآقّۃ: ۱۸